1404 فروری 1984ء

الرشد

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255

جلد نمبر ۵ شمارہ ۴ فروری ۱۹۸۴ء مطابق جمادی الاول ۱۴۰۴ھ

دینی، اصلاحی، علمی، تصوف وسلوک کا واحد مجلہ

ماہنامہ المرشد

چکوال (جہلم) پاکستان

رابطہ کیلئے
دار العرفان
منارہ
ضلع جہلم

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر
باتیں اُن کی خوشبو خوشبو	حضرت شیخ المکرم مدظلہ
ارشادات	حضرت شیخ المکرم مدظلہ
اسرار التنزیل	مولانا محمد اکرم صاحب (منارہ)
جواہر پارے	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
پیامِ اقبال	پروفیسر عبدالرزاق صاحب ایم اے
سلوک اور مجاہدہ	فیض الرحمان (اسلام آباد)
دیکھتا چلا گیا	سیلانی
تصوف کی حقیقت	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ
تأثرات	پروفیسر مخفی کاشمیری
کیلنڈر ۱۹۸۴ء	حافظ اللہ یار (سعودی عرب)

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مدیر مسئول

حافظ عبدالرزاق ایم اے (عربی، اسلامیات)

مجلسِ ادارت

پروفیسر ضیاء حسین نقوی بی اے آنرز ایم اے

مولانا ملک محمد اکرم (مناروی)

پروفیسر باغ حسین کمال (ایم اے)

بدلِ اشتراک

سالانہ چندہ - ۳۵/- روپے

ششماہی چندہ - ۱۸/- روپے

فی پرچہ - ۳/- روپے

بیرونی ممالک کیلئے سالانہ چندہ - ۱۰۰/- روپے

سول ایجنٹ :- مدنی کتب خانہ گنپت روڈ - لاہور

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس گنپت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال (جہلم) سے شائع کیا

اِداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن کیا بتائیں کہ ایک عجیب سا اضطراب ہے بے چینی سی ہے کچھ یونہی الجھاؤ سا رہتا ہے۔ بغیر کسی بات کے ایسے ہی الجھن سی (Develop) ہو جاتی ہے۔ اور خواہ مخواہ ایک دوسرے سے اُلجھنے لگتے ہیں اور جب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی تو ایسی بات نہ تھی؟ مابہ النزاع تو کیا کوئی ایک مسئلہ ہی نہیں جو نہ حل شدنی ہو، کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کیلئے کچھ ایسی کیفیت سے دوچار ہونا پڑے۔ کونسی خواہش ہے جو پوری نہیں ہو پاتی نہ تمنا کا الجھاؤ ہے نہ معیشت کی تنگی۔

پھر آخر یہ ہے کیا؟ دل کیوں اداس سا ہو جاتا ہے، ہر چیز سے ایک وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ اپنے آپ سے بھی بسا اوقات بیزاری کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے بیوی بچے اچھے نہیں لگتے، مال و جائیداد ایک بکھیڑے سے زیادہ نظر نہیں آتی —— زندگی ایک خواب کی سی محسوس ہوتی ہے اور وہ بھی کوئی خوابِ شیریں نہیں بلکہ ایک ڈراؤنا خواب اس پر طرہ یہ کہ نہ تعبیر کی تلاش ہے نہ تعبیر کہیں سے ملتی ہے —— دل کی گہرائیوں میں ایک طوفان سا برپا ہے۔ جو لمحہ بلمحہ کبھی گھٹتا بڑھتا بلکہ بپھرتا رہتا ہے۔ ایک تند و تیز دھارا ہے جو بہائے لئے جا رہا ہے۔ بے بسی اور بے حسی کا سا عالم ہے، دل ڈوب رہا ہے، تمنا مضمحل ہوئی جاتی ہے —— یہ تو ہے گھر کی چار دیواری یا قفسِ عنصری کے اندر کی کچھ کیفیت!

باہر کی دنیا بھی کچھ کم ڈراؤنی نہیں۔ ایک عالمگیر پریشانی کی دُھند ہے جو اطرافِ کائنات کو گھیرے ہوئے ہے۔ مستقبل بھیانک اور تاریک نظر آتا ہے۔ انسان اپنی عقل و دانش کے ہاتھوں خود اپنی تباہی کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے میں مصروفِ کار ہے۔ ملکوں اور قوموں کا سکون غارت ہوا جاتا ہے نوعِ انسانی کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بڑے بڑے ہجوم سے خوفزدہ ہیں۔ اور بڑی سے بڑی اجتماعی

اکائیاں بھی اپنے کو اندر سے بکھرا ہوا محسوس کرتی ہیں۔

نوعِ انسانی کے ترقی کی دنیا بھی اجڑی اجڑی اور سونی سونی دکھائی دیتی ہے۔ شاید یہ اس کے من کی دنیا کے بگاڑ ہی کا عکس ہے، اس کے باطن کی ہی کوئی بے سکونی و بے قراری ہے۔ جس نے ظاہر کے اس انتشار کو جنم دیا ہے۔ جتنا جتنا من اجڑتا جارہا ہے ظاہر بھی تباہی و بربادی کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس ——— بحر و بر میں، کائناتِ عالم میں انسان کے " اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی " اس کے سامنے یہ نقشہ پیش کررہی ہے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس عالمگیر فساد اور انتشار سے بچنے کی بھی کوئی تدبیر ہے ؟

ہر دکھ کی دوا اور ہر مرض کا علاج ہے ؛ ہاں ! تو خوب غور سے سنو اور سمجھو ! اس بے قراری اور اضطراب کا علاج اللہ کا ذکر ہے۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب ——— دلوں کا اطمینان تو اللہ کے ذکر، اس کی یاد اور اس کی اطاعت اور محبت ہی میں ہے۔ جب تک دل کا رابطہ اپنے مالک اور خالق سے درست نہ ہوگا زندگی کا چلن صحیح نہ ہو سکے گا۔ اور بظاہر سب کچھ پالینے کے باوجود انسان ایک ایسے خسارے میں رہے گا جس کی تلافی بجز اس کے ممکن نہ ہوگی۔

آج کے انسان کے دکھوں کا واحد علاج تعلق باللہ استوار کرلینے میں ہے اور اس کی واحد تدبیر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے دل کی شمع روشن کرنے میں ہے۔ جب تک یہ روشنی میسر نہ ہوگی۔ انسانیت کی شب تاریک میں سحر طلوع نہ ہوگی۔

امتِ مسلمہ کے فرائض میں اولین بات یہی ہے کہ وہ اپنے دلوں کو اس نورِ مبین کے فیضان سے منور کریں۔ اور پھر یہ شمعِ ہدایت لے کر آگے بڑھیں اور انسانیت کے دکھوں کا مداوا کریں۔ دورِ حاضر کی اس افراتفری، اضطراب، بے چینی اور پریشاں نظری سے لوگوں کو نجات دلائیں۔ اس آفتابِ ہدایت کے نور سے دنیا کو منور کریں۔ اور بلغوا عنی ولو آیۃ کے سلسلہ کی ایک کڑی بن کر دین و دنیا کی فلاح و نجات سے فائز المرام ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ط

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

(ارشادات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب۔ دامت برکاتہم)

بکارِ نیک گردد یاورے تو — بکوئے نیک نامی یاور تو
چنیں یارے کہ یابی خاکِ اُو شو — اسیرِ حلقۂ فتراک اُو شو!

حضرت مولانا جامیؒ قدس سرہ السامی اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ــــــ کہ آدمی کو چاہیئے کہ وہ ایسے کامل کی تلاش کرے جو اسے نیک نامی کے کوچے میں لے جائے اور ہر نیکی میں اس کی امداد کرے۔ اگر ایسا رہبر کامل کسی کو مل جائے تو پھر اس کے قدموں کی خاک بن جانا چاہیئے۔ اس کے دامنِ دولت کو ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔

ایسا شخص جو سلوک کے منازل طے کرادے بڑی مشکل سے ملتا ہے اور پھر اس سے فائدہ اٹھانا بھی ہر شخص کا کام نہیں ــــــ

مختلف ملکوں سے میرے پاس خطوط آتے رہتے ہیں جن میں تصوف و سلوک کے متعلق استفسارات ہوتے ہیں۔ جن کے جواب میں میں اکثر یہی لکھتا ہوں کہ" اگر کوئی شخص خلوصِ دل سے میرے پاس آئے اور آداب و شرائط کے ساتھ رہے اور پھر بھی اسے سلوک حاصل نہ ہو سکے تو سمجھ لے کہ اس میں اس کے حصول کی استعداد ہی نہیں ہے ــــــ تمام دنیا میں پھر پھرا کے دیکھ لے یہ چیز کہیں سے حاصل نہ ہوگی"۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل

. . . . ایک مولوی صاحب اکثر اپنی تقاریر اور مواعظ میں ہمارے سلسلہ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ ہوا یہ کہ ان کے ایک بھائی ہمارے ذکر و تربیت میں شامل ہو گئے۔ ان کے بدلے ہوئے حالات جب انہوں نے دیکھے تو سوچ میں پڑ گئے کہ یہ ہوا کیا ہے؟

ہماری کتاب "اسرار الحرمین" ایک عمر رسیدہ عالمِ دین کے پاس لے گئے۔ یہ بزرگ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مجاز ہیں۔ ضلع سرگودھا کے

کسی دیہات میں آبادیوں سے دور اپنی زرعی اراضی پر رہتے ہیں، عابد، زاہد، ذاکر، شاکر آدمی ہیں ــــــ مولوی صاحب نے کتاب کے وہ حصے جن میں مشاہدات حرمین شریفین کا بیان ہے۔ ان کے سامنے رکھے اور پوچھا کہ حضرت! کیا یہ باتیں درست ہیں اور ایسا ممکن ہے؟

آپ کتاب کے ان حصوں کا مطالعہ فرماتے رہے اور پھر فرمایا کہ ہاں! بھائی یہ سب درست اور صحیح ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اب ایسے لوگ کہاں! اس ملک میں تو اس قسم کے لوگ نہیں پائے جاتے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا حضرت اس کتاب کے مصنف جن کے احوال کا کچھ ذکر اس کتاب میں ہے اس وقت موجود ہیں۔ تو فرمایا: کہ بھائی ایسے شخص کے تو پاؤں دھو کر پینا چاہیئے۔ وہ صاحب کہاں تشریف فرما ہیں، مولوی صاحب نے کہا، آجکل آپ منارہ (ضلع جہلم) میں اپنے شاگردوں کے تربیتی اجتماع کی نگرانی فرما رہے ہیں ....

فرمایا: ــــــ میں اپنے کسی شاگرد (ساتھی) کو دنیا کے کام کاج سے نہیں روکتا۔ خواہ وہ سلوک کے کیسے ہی منازل سے گزر رہا ہو۔ مختلف پیشوں کے لوگ اپنے اپنے پیشہ کے مطابق کام کریں۔ مزدور مزدوری، صنعت کار صنعت وحرفت، زمیندار زمینداری و کشت کاری اور ملازمت پیشہ افراد اپنی ملازمت کے فرائض انجام دیں ــــــ کام کریں اور سارا سارا دن کام کریں۔ لیکن خرافات سے بچیں۔ بیہودہ گوئی اور لا یعنی سے اجتناب کریں۔ صبح وشام گھنٹہ نصف گھنٹہ پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوں، نماز پنجگانہ کی پابندی کریں، اگر اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہیں "حزب اللہ" (اللہ کی جماعت) میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو احکام شریعت مطہرہ کی پابندی کریں۔ ورنہ اس سے کٹ گئے تو "حزب الشیطان" میں داخل ہو جائیں گے۔ (العیاذ باللہ)۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو کام کاج سے منع نہیں فرمایا۔ ہاں صرف ان پیشوں سے روکا جو شرعاً ناجائز ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے کوئی عطر فروشی کا کام کرتا تھا تو کوئی کھجوروں کی تجارت، کچھ تجارت پیشہ تھے تو کچھ کشت کاری کرتے تھے۔

فرمایا: لسانی اذکار اور عبادات نافلہ کی بجا آوری کیلئے صرف جاننا کافی ہے کسی شیخ مقتداء کی تربیت وصحبت کی ضرورت نہیں۔ لیکن راہِ سلوک میں بغیر توجہ شیخ کے چلنا محال ہے۔ مقامِ احدیت تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے، دنیا کی تو اتنی عمر بھی نہیں۔ جب سالک پر احدیت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب راہِ سلوک پر چل سکتا ہے۔ اس راہ میں قدم قدم پر شیخِ کامل کی ضرورت ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید تسبیحات واذکار کی خاص تعداد پڑھ لینے یا خاص

خاص اوراد و وظائف پورا کر لینے سے ہی سلوک کے مقامات حاصل ہو جائیں گے ——— مخلوقِ خدا کو دھوکے میں نہ رکھیں، صاف کہہ دیں کہ بھائی ہم سلوک سے واقف نہیں، کسی کامل کی تلاش کریں ——— یہ درست ہے کہ تسبیحات، اوراد و وظائف کا پڑھنا نیکی ہے اور کارِ ثواب ہے۔ لیکن اس کا تعلق ولایتِ خاصہ سے نہیں، ولایتِ عامہ سے ہے۔ جس کا حصول ہر مسلمان کیلئے ممکن ہے اور اس میں شیخ کی توجہ یا صحبت کی ضرورت نہیں ——— جن امور کا تعلق علوم سے ہے انہیں تو ہر شخص حاصل کرتا ہے۔ اس میں سے بعض کیلئے تو نیک و بد حتیٰ کہ مومن و کافر کی بھی تخصیص نہیں ——— کفار بھی علوم دینِ اسلام پر اعتراض کی غرض سے سیکھتے ہیں ——— لیکن ان علوم کے ساتھ انوارِ نبوت کا جمع کرنا یہ مومن متقی کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

فرمایا: صوفیا کرامؒ کے احوال عجیب ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے برقِ تپاں، جب چمکتی ہے تو دنیا کو روشن کر دیتی ہے اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔

؎

بگفت: احوالِ ما برقِ جہان است
دمے پیدا دمے دیگر نہان است
گہے بر طارمِ اعلےٰ نشینم!
گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم!

فرمایا: اس دور میں الحاد و زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ ہر طرف ظلمت ہی ظلمت ہے بے پناہ ظلمت! اگر یہاں کوئی سالک فنا فی اللہ یا بقا باللہ کے مقام والا بھی مل جائے (بشرطیکہ وہ کہیں ہو بھی) تو اس میں اتنی طاقت نہیں کہ کسی طالب کو کچھ کرا سکے۔ بلکہ اس زمانے میں سالک المجذوب والے بھی یہ کام مشکل ہے کہ وہ کسی طالب کو اپنی توجہ سے عالمِ بالا کی طرف رہنمائی کر سکے ——— اس گمراہی کے مقابلے میں بڑی طاقت اور قوی استعداد کی ضرورت ہے۔ جتنی گمراہی زیادہ ہوتی ہے اس کے مقابلہ کیلئے اتنی ہی زیادہ طاقت کی ضرورت ہوتی ہے .... (اس کے بعد تحدیثِ نعمت کے طور پر آپ نے یہ ارشادات فرمائے جو آپ کے مقاماتِ عالیہ پر فائز ہونے کی طرف مشیر ہیں۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)۔ فرمایا: اگر میرے روئیں روئیں میں ایک ایک ہزار زبان ہو اور ہر زبان ایک ایک ہزار بولی بول سکتی ہو تو بھی اللہ کریم کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔

اگر ہر سر موئے من گردد زبان
شکر تو ہرگز نہ آید در بیان

فرمایا: میرا رجحان علوم ظاہری کی طرف زیادہ ہے۔ مجھے جو وقت بھی فراغت کا ملے، رات ہو یا دن، خاص طور پر رات کے وقت، (تنہائی میں) میں قرآنِ کریم اور حدیثِ نبویؐ پر غور کرتا ہوں۔ جس طرح قرآن و حدیث کے اسرار و رموز اس علم (تصوف) سے کھلتے ہیں اور اس کے مشکلات حل ہوتے ہیں اور کسی علم سے نہیں ہوتے۔ اس لئے جو وقت بھی میسر آئے اس میں صرف کرتا ہوں۔

فرمایا: کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ

جو لوگ میرے پاس آتے ہیں مجھے پتہ ہے کہ ان کے متعلق مجھ سے پوچھا جائے گا۔ اس لئے تیرہ خطوں کے جواب میں بھی اور ویسے ملنے والوں سے بھی ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ .... اتباعِ شریعت اتباعِ سنت، نماز کی پابندی۔ میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنتِ نبویہ، حلال و حرام کی تمیز، ذکر اللہ پر دوام، کی تلقین کروں ——— آپ کے متعلق مجھ سے پوچھا جائیگا کہ یہ لوگ تمہارے پاس آئے تھے تم نے انہیں کیا بتلایا! ہماری ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کریم سلف صالحین کے راستے سے نہ ہٹائے، صحابہ کرامؓ تابعینؒ، تبع تابعینؒ، سلف صالحین کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم — اسی راستے پر چلو!

ہم نے تصوف و سلوک کے تمام علمی ذخیرہ سے تصوفِ اسلامی کو چھانٹ کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ آپ تصوف و سلوک کی جتنی بھی کتابیں ہیں ان میں دیکھ لیں۔ یہی چیز آپ کو ملے گی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان میں بعض اور چیزیں بھی ہوں گی، لیکن میں نے ان کو چھانٹ چھانٹ کر نکال دیا ہے، صرف وہی چیزیں رہنے دی ہیں جن پر تمام صوفیہ کا عمل رہا ہے۔ مثلاً لطائف، تو تمام صوفیہؒ لطائف کراتے تھے۔ یہ چیز تواتر تک پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح لطائف کے انوار اور ان کے الوان (رنگ) بھی ہیں، اس کے بعد رابطہ اور استغراق ——— پہلے ہم بھی رابطہ اور استغراق کراتے تھے لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے طاقت دے دی ہے اسکی ضرورت نہیں رہی ——— مراقباتِ ثلاثہ، احدیت، معیت، اقربیت، دوائرِ ثلاثہ، فنا فی اللہ، بقا باللہ، یہ سب صوفیاءؒ بیان کرتے ہیں۔ سیرِ کعبہ، سیرِ صلوٰۃ، سیرِ قرآن، یہ بھی سب ہی لکھتے ہیں۔ فنا فی الرسول ؐ کے متعلق بھی لکھتے ہیں۔ اس سے آگے کے منازل کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں۔ سالک المجذوبی کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اسکی منازل کی تفصیل بیان نہیں کرتے۔ مجھے یہ تفصیلات معلوم ہیں لیکن مصلحت کے تحت بیان نہیں کرتے، منازلِ بالا، سب دائرے صوفیا کرام نے بیان کئے ہیں۔ تابعین، تبع تابعین کے دور سے لے کر معاملہ اسی طرح چلا آتا ہے۔

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند
روباہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ اند

فرمایا: جس طرح علوم ظاہریہ تواتر کے ساتھ ہمیں پہنچے ہیں اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوم باطنیہ (اسرار و معارف) بھی ہمیں تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے استفسار کیا کہ یہ تصوف جو ہے اس کا کوئی

ثبوت بھی ہے تو آپ نے اس کے جواب میں یہ مصرع لکھ دیا : (کہ عاقل را اشارہ کافیست)

ع ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند

تصوف تواتر تک پہنچ چکا ہے۔ تفاسیر اس سے بھری پڑی ہیں۔ حدیث کے شروح میں موجود ہے۔ فقہاء نے اپنے فتاویٰ میں اسے بیان کیا ہے۔

فرمایا : یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ ساری جماعت غور سے سُن لے۔ اتباعِ شریعت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کوئی چیز نہیں بن سکتی۔ وہ لوگ جاہل و مجہول اور گمراہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت اَور چیز ہے اور طریقت کچھ اَور ہے۔

خلافِ پیغمبرؐ کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

شریعت کا مغز ہے، نچوڑ ہے فقیری، تصوف اور احسان۔ شریعت بیج کے مانند ہے اور طریقت اس کا ثمر، جب بیج ہی نہ ہوگا تو پھل کہاں سے آئے گا۔ عقائد اصل یعنی جڑ ہیں، فروعی مسائل اس شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں۔ اور تصوف و احسان اس کا ثمر، جب اصل ہی نہ ہو تو پھل کہاں سے آئے گا۔

فرمایا : یہ پانچ ہستیاں اولوالعزم پیغمبر ہیں (علیہم الصلوٰۃ والسلام)۔ اللہ کی تمام مخلوق میں پہلے نمبر پر آقائے نامدار سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ دوسرے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ تیسرے سیدنا موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ چوتھے سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور پانچویں سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

ارشادات

شیخ مکرم مدّ ظلہ العالی دامت برکاتہم

خطبۂ جمعۃ المبارک مقام لنگر مخدوم مورخہ ۲۱ راکتوبر ۱۹۸۳ء

خطبۂ مسنونہ کے بعد! قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ فانطلقا حتیٰ اذا رکبا فی السفینۃ .... الیٰ آخر الرکوع۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما!
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

پھر یہ شعر پڑھا۔

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

فرمایا: میں ایک اہم مسئلہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور کچھ ہدایات اپنی جماعت (یعنی متعلقینِ سلسلۂ اویسیہ نقشبندیہ) کے لیئے ——
دراصل اس مسئلہ کا تعلق اساسی عقائد کے ساتھ ہے اگرچہ بعض لوگ بزعمِ خویش یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک فروعی بات ہے حالانکہ اس کا تعلق کفر و اسلام کے تعین سے ہے یہ مہتمم بالشان مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے متعلق نہایت اختصار سے چند ضروری اشارات کیئے جاتے ہیں۔ (والعاقل تکفیہ الاشارہ)

فرمایا! میرا مقصد کوئی تقریر کرنا نہیں، بلکہ مسئلہ سمجھانے کیلئے تفہیم و تدریس کا انداز اختیار کرتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ہم اہلسنت والجماعت اعتقادیات کے تمام مسائل میں اشاعرہ کے تابع ہیں۔ یعنی امام ابوالحسن اشعریؒ کے تابع و مقلد ہیں۔ جن مسائل کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے وہ اصولی مسائل ہیں۔ اور انہی پر مدارِ نجات ہے ایسے تمام مسائل میں ہم امام ابوالحسن اشعریؒ کے مقلد ہیں اور فروعات میں ہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔

فرمایا: امام ابوالحسن اشعریؒ نسباً جلیل القدر صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا تعلق اشعری قبیلہ سے ہے اور بصرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ زہد و ورع و تقویٰ کا کچھ اندازہ اس سے کیجئے کہ مسلسل بیس سال تک صبح کی نماز انہوں نے مغرب کے وضو سے ادا کی۔ ساری ساری رات اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے۔ درس و تدریس اور مطالعہ کتب ان کا مشغلہ تھا۔ تفویض و توکل علی اللہ میں ان کا یہ حال تھا

کہ ان کے جدِ امجد (دادا) کی بصرہ کے نواح میں کسی چھوٹی سی بستی میں کچھ اراضی تھی جو انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ اسی پر ان کی گزران تھی۔ جو کچھ اس سے حاصل ہوتا اسی پر صابر و شاکر رہتے۔

ان کے متعلق اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو کسی وقت بفضلہٖ تعالےٰ بیان ہوں گی۔ ان کے حق میں جو سب سے عمدہ کتاب لکھی گئی ہے وہ ہے ——— "تبئین الکذب المفتری" علمائے کرامؒ نے لکھا ہے کہ اہلسنت عالمِ دین کیلئے ضروری ہے کہ یہ کتاب اس کے پاس ہو۔ مجھے اس کی تلاش رہی کیونکہ یہ کافی عرصہ سے نایاب تھی بالآخر مصر کے ایک قدیمی کتب خانہ سے مل گئی۔ اس کتاب میں ان کے توکل علی اللہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ سارے سال میں ان کا خرچ صرف ساڑھے سترہ درہم تھا یعنی ایک ماہ کا خرچ تقریباً ایک درہم اور نصف درہم یا اس سے قدرے زائد!

ابتدا میں یہ معتزلہ کے ہم خیال تھے خواب میں کئی بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا "مذہب وہ بہتر ہے جس کا مدار نقل و روایت پر ہے۔ جو بذریعہ نقل مجھ تک پہنچتا ہے۔ عقلیات کو چھوڑ دیں۔" چونکہ معتزلہ کا مذہب زیادہ تر عقلیات پر مبنی ہے۔ وہ ہمیشہ عقلی دلائل پیش کرتے ہیں اور فلسفہ و منطق کا سہارا لیتے ہیں۔ اگر یہ فلسفیوں اور معتزلہ کا خبیث ٹولہ نہ ہوتا تو دینی علوم میں فلسفہ اور منطق کا رواج نہ ہوتا ——— جب کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ امام ابوالحسن اشعریؒ ابتدا میں اسی مذہب اعتزال کے قائل تھے۔ لیکن بار بار نبی اکرمؐ کی زیارت سے مشرف ہونے کی وجہ سے اور آپؐ کے اس فرمان کی برکت کے سبب یہ اس مذہب باطلہ سے تائب ہو گئے۔ اور اہلسنت والجماعت کے مذہب حقہ کو اختیار کر لیا۔ اس کے بعد یہ باطل فرقوں کے مقابلہ میں ایک شمشیرِ بے نیام بن گئے۔ اور دشمنانِ دین کے لئے قہرِ الٰہی کا مظہر بن گئے۔

اسی دَور میں انہوں نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے "مقالات الاسلامیین واختلاف مصلّین" اس کتاب میں انہوں نے اپنے عہد تک کے تمام فرقوں کے عقائد و افکار کا جائزہ لیا ہے۔

فرمایا: امام ابوالحسن اشعریؒ کے اس مختصر سے تذکرہ سے دراصل میرا مقصد ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ ان کے دَور میں فرقہ جہمیہ اور فرقہ کرامیّہ کا بہت زور تھا اور حضرت امام اشعریؒ کا وجود ان فرقہ باطلہ کیلئے عذابِ الٰہی کے مانند تھا کرامیہ ان کے دلائل سے تنگ آ گئے اور سازش کر کے انہیں زہر دے کر شہید کر دیا۔

کتاب مذکورۃ الصدر کے مقدمہ میں فرقہ کرامیہ کے ضمن میں انہوں نے لکھا ہے کہ فرقہ کرامیہ کا ایک وفد سلطان محمود غزنوی کے پاس پہنچا اور انہوں نے شکایت کی یہ شخص (ابوالحسن اشعریؒ) ہمیں بے ایمان اور بدعتی کہتا ہے حالانکہ یہ خود کفریہ عقائد رکھتا ہے سلطان محمود غزنوی نے پوچھا کہ اس کا ایسا کیا عقیدہ ہے؟ بصرہ، عراق اور ایران اس زمانے میں سلطان محمود ہی کے زیرِ نگیں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا وہ کفریہ عقیدہ یہ ہے کہ یہ شخص کہتا ہے کہ

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اس دنیوی زندگی کو ختم کر کے یہاں سے رخصت ہوئے اس کے بعد وہ نبی نہیں رہے اور نہ ہی رسول رہے۔ پہلے بھی یہ حقیقی نبی نہیں حکمی نبی تھے۔ (العیاذ باللہ) چند دن پیشتر ایک مولوی صاحب سے اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا" حکم شے اس کے قائم مقام ہوتا ہے" میں نے کہا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مغالطہ ہوا ہے، اس پر وہ کہنے لگے۔ عورت کو جب طلاق ہوتی ہے تو اس کی عدت یعنی تین حیض تک وہ حکم نکاح میں ہوتی ہے میں نے کہا آپ کو مغالطہ ہے آپ کو فقہ کی سمجھ نہیں۔ طلاق کے بعد عورت اس شخص کی منکوحہ نہیں رہتی۔ جتنے احکام قبل طلاق ان میں تھے وہ سب ختم ہو گئے۔ اسی عدت کی مصلحت تو وہ برأت رحم ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے پیٹ میں کچھ ہو۔ یہ عدت برأت رحم کیلئے ہے۔ اس لئے نہیں کہ ابھی نکاح کا حکم باقی ہے۔ میں نے کہا یہ قاعدہ آپ نے کہاں سے اخذ کیا کہ حکم شے، شے کا قائم مقام ہوتا ہے۔

غرضیکہ اُس وفد نے سلطان محمود سے کہا کہ یہ شخص اس بات کا قائل ہے کہ آقائے نامدار جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت دنیا سے برزخ میں تشریف لے گئے تو اس وقت رسالت ختم ہو گئی۔

اگر یہ عقیدہ ہو کہ آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے برزخ میں منتقل ہونے کے بعد نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ جواب دیتے ہیں اور نہ برزخ میں جانے کے بعد کوئی زندگی انہیں حاصل ہے . . . . ؟

اہلسنت والجماعت تمام کے تمام اس بات متفق ہیں اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ جب روضۂ اطہر پر جا کر صلوٰۃ و سلام عرض کیا جائے تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں اور جو درود شریف دُور سے پڑھا جاتا ہے تو اسے ملائکہ آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اس موضوع پر میں ایک رسالہ لکھ رہا ہوں جو عنقریب طبع ہو جائے گا۔ میں نے اس میں لکھا ہے اور یہ انکار سماع عند القبر الشریف یعنی روضۂ اطہر پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں تو آپ نہیں سنتے" اسے چیلنج کیا ہے کہ منکرین کسی ایک مفسر، کسی ایک محدث، کسی ایک شارح حدیث، کسی متکلم، کسی ایک فقیہہ یا کسی صوفی ہی کا قول پیش کر دیں۔ جو اس کا قائل ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر پر جا کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جائے تو نہیں سنتے۔ کوئی ایسا آدمی نہ ملے گا۔ جو اس کا منکر ہو۔ دیدہ باید۔

فرمایا: اب ذرا موت کی حقیقت سمجھ لیجئے۔ یعنی موت کیا چیز ہے؟ موت کوئی عدمی چیز نہیں جو وجود کو ختم کر دے۔ موت تو ایک پُل کی طرح ہے **الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب**۔ دنیا ایک دریا کی طرح ہے۔ جیسے ہم سوائے پُل کے عبور نہیں کر سکتے۔ موت ہمارے لئے ایک پُل بنایا گیا ہے کہ اسے عبور کر کے برزخ میں چلے جائیں یا اسے ایک کشتی یا جہاز سمجھ لیں جس پر سوار ہو کر ہم آگے چلے جائیں گے۔ موت عدمی چیز نہیں جیسا کہ فرمایا **خلق الموت والحیوٰۃ**" جس طرح اللہ تعالےٰ نے

زندگی کو پیدا فرمایا اسی طرح موت کو بھی پیدا فرمایا۔
وہ بھی مخلوق ہے اور یہ بھی مخلوق ہے۔

فرمایا: قانون یہ ہے کہ ایمان، نبوت رسالت، علم، یہ صفات قائم بنفسہٖ نہیں کہ علیحدہ ہوں مثلاً زید میں علم ہے تو یہ زید کے وجود میں ہی ہے یہ الگ کہیں موجود نہیں۔ اگر اس کا وجود نہ پایا جائے تو علم ہی نہ ہوگا۔ یہ ایسی صفات نہیں کہ خود بخود قائم ہوں۔

رسالت، نبوت، ایمان، علم اور سماع یہ ایسی صفات ہیں جو زندہ موصوف کو چاہتی ہیں کیونکہ یہ قائم لغیرہٖ ہیں بنفسہٖ قائم نہیں، علیحدہ نہیں کسی کے ساتھ ہی پائی جاتی ہیں۔

اب اس بات کی حقیقت سمجھیں کہ جو الزام امام ابوالحسن اشعریؒ پر لگایا گیا۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اس بات کا قائل ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ایمان بھی گیا، نبوت بھی گئی، رسالت بھی گئی، علم بھی گیا، ختم ہو گیا۔

سلطان محمود نے کہا کہ اگر یہ بات جو تم کہتے ہو درست ہے تو لاقتلنہٗ میں اس شخص کو قتل کر دوں گا۔ کیونکہ یہ واجب القتل ہے حلال اللہ ہے اسنے آقائے نامدار حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کی ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے لایا جائے۔ بصرہ سے گرفتار کر کے لایا گیا۔ سلطان خود بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے غزنی میں ایک بہت بڑا دار العلوم قائم کیا تھا۔

جب امام ابوالحسن اشعریؒ سلطان کے سامنے پیش ہوئے تو سلطان نے پوچھا کہ نبی کریمؐ کی رسالت اور نبوت کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ مجھے آپ کے متعلق ایسا اور ویسا بتایا گیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا "کذب علیٰ ناقل" ناقل نے جھوٹ بولا۔ میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق نبی مانتا ہوں۔

(جاری ہے)

اسرار التنزیل

(حضرت مولانا محمد اکرم مناروی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ .... فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ٥

مذاہبِ عالم کی بنیاد اس دعویٰ پر ہے کہ ہمیں اللہ جلّ شانہٗ سے محبت ہے۔ اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ہے اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے ہی ساری محنت کر رہے ہیں۔ مذہب کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انسانیت کی تاریخ۔ ہر دَور میں ہر اس علاقے اور ملک میں جہاں انسان بستا رہا ہے اس کے ساتھ مذہب بھی موجود رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ مذہب حقّہ پر کاربند رہا یا اپنی طرف سے چند رسومات ایجاد کر کے ان کا نام مذہب رکھ لیا۔ بہرحال مذہب انسانیت کی ضرورت ہے اور تخلیقی طور پر اس میں مذہب کی طلب اور جستجو ودیعت کر دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ تمام مذاہب سے انکار بھی خود ایک مذہب ہے اور ہر مذہب کی بنیاد اسی دعویٰ پر ہے۔ اگر کوئی بتوں کی پوجا کرتا ہے تو اس کا دعویٰ بھی یہ ہے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ہم ان کی پوجا پرستش اس لئے کر رہے ہیں کہ اس طرح ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو گا۔ جب حضورؐ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپ کا سابقہ ان لوگوں سے پڑا، جن میں مشرکینِ عرب تھے یا اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ۔ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ ہم اللہ جلّ شانہٗ کی محبت میں، اللہ کی طلب میں یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بھی ان کا دعویٰ تھا کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ، نہ صرف ہمیں اللہ سے محبت ہے بلکہ ہم اللہ کے محبوب ہیں۔ اور اسی طرح کا دعویٰ نصاریٰ کا بھی تھا۔ مشرکین کا دعویٰ بھی یہی تھا۔ بعض بُت انہوں نے انبیاء کے بنا رکھے تھے، بعض صلحاء کے بنا رکھے تھے بعض اپنے ذہن سے خیالی اور اختراعی نام وضع کر کے بنا رکھے تھے۔ بہرحال دعویٰ سب کا یہی تھا۔

اب بات جب اس درجہ پر پہنچی کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے تو محبت ایک جذبہ ہے، ایک کیفیت ہے

جس میں محبت کرنے والے کی پسند کو دخل نہیں ہوتا۔ محبت کا خاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کا قلب، کسی شخص کا کا دل، کسی شخص کا باطن، اس کا ضمیر، کسی شخص کی ذات، کسی دوسری ذات میں اس طرح سے فنا ہو جائے کہ اس کی اپنی کوئی پسند ہی نہ رہے اور جو اس کا محبوب ہے اس کی پسند محب کی پسند بن جائے خواہ اس میں اسے کتنی ہی مشکلات، کتنے مصائب اور کس قدر تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو پھر محبت صادق نہیں ہوتی اب جب دعویٰ ہو محبت الٰہیہ کا تو یقیناً یہ اصول وہاں بھی کارفرما ہوگا اور اس طرح سے ہوگا کہ محبت کا مدعی وہ کام کرے جس کے کرنے کا اللہ کریم حکم دیں۔ محبت کے مدعی کو وہ بات پسند ہو جو اس کے محبوب کو یعنی ذات باری کو پسند ہو۔ اور ہر اس شئے سے اسے نفرت ہو جائے جو اللہ شانہٗ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ تو جب محبت کے لئے یہ ضروری ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی ذریعہ اور واسطہ محب کے پاس ایسا ہو جو اسے محبوب کی پسند سے آگاہ کر دے، اسے محبوب کی پسند کی خبر پہنچا سکے۔

تو جب بات یہاں پہنچے گی تو فرمایا اے میرے حبیبؐ ساری نوع انسانی سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے مدعی ہو تو میری بعثت کے بعد خالق اور مخلوق کے درمیان صرف اور صرف واسطہ میری ہی ذات ہے ساری مخلوق کے پاس صرف ایک ہستی ہے محمد ﷺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو مخلوق کو مرضیات باری سے آگاہ کر سکتی ہے۔ اور کائنات ارضی پر اپنی بعثت کے بعد صرف اکیلی ہستی ہے۔ حضور نبی کریم علیٰ تحیۃ والتسلیم کی جبڑ کا ہر قول، ہر فعل مرضیات باری کے مطابق ہے۔ اللہ کی مرضیات سے مخلوق کو آگاہ کرنا یہ بھی حضورؐ کا منصب ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف اطلاع دینے والے نہیں ہیں بلکہ ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنے والے اور مخلوق سے بڑھ کر اللہ کی مرضیات کو چاہنے والے اور ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ کی مرضیات کو پانے والے بھی ہیں۔ تو ان ہر دو حالتوں میں کوئی شخص ہو، کہیں ہو اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کو اختیار کرے۔

ایک قاعدہ اور بھی اگر یہاں زیر بحث آ جائے تو مناسب ہوگا۔ محبت کرنے کیلئے اپنے سے اعلیٰ کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ کسی شخص میں اگر کوئی کمال ہو تو وہ اس سے محبت کرے گا جو یا تو اس کمال کی استعداد رکھتا ہو یا اس سے بڑھ کر اس فن میں کامل ہو۔

انسان اللہ جل شانہٗ کی تخلیق کا ایک شاہکار ہے گو یہ حادث ہے، مخلوق ہے لیکن اسے ابدالآباد تک رہنا ہے۔ اس کا وجود مظہر ہے صنعت باری کا، تخلیق باری کا۔ جس قدر یہ کائنات ممکنات کی ہے ارض و سما میں جو ہے ان کا وجود حقیقی نہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے عدم سے وجود میں آیا ہے اور عدم جو ہوتا ہے یہ لاشی محض ہوتا ہے کچھ بھی نہیں ان تمام ممکنات کا وجود علم الٰہی میں ہے اور اسی کا پرتو ہے کہ عدم سے یہ صورتیں بن بن کر جہان میں آتی ہیں۔ چونکہ ان کی اصل عدم سے ہے ان کی انتہا بھی عدم ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر شے ایک دورے

سے تیزی سے فنا کی طرف جا رہی ہے۔ ہر چیز ہر آن فنا سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ لِکل شیئٍ یرجعوا الیٰ اصلہٖ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے تو انسان جسے ابدالاباد رہنا ہے اسے ایسی چیز کی محبت کب زیب دیتی ہے جس شئے کو چندے رہنا ہی نہیں۔ جس شئے کی کوئی خاص عمر ہی نہیں۔ ایک تھوڑا سا لمحاتی وقت ہے اور جس کا وجود حقیقی ہے ہی نہیں بلکہ اس کا وجود بھی ظلّی ہے، عکس ہے، ایک سایہ ہے جسے ہم وجود سمجھ بیٹھے ہیں۔ نعمائے آخرت عدم سے نہیں ہیں بلکہ یہ پرتو ہیں اللہ جلّ شانہٗ کی صفتِ مہر کا، اللہ کی رضا کا۔ تو ان کے وجود کا انحصار صفاتِ باری پر ہے۔ جنّت پرتو ہے اللہ کی مہر کا اور دوزخ پرتو ہے خدا کے قہر کا۔ جنت بھی ابدالاباد رہے گی، دوزخ بھی ابدالاباد رہے گی۔ حتیٰ کہ قیامت کا زلزلہ بھی انہیں متاثر نہیں کرے گا۔ تو اگر یہ کم ازکم محبت کرے تھوڑی سی تھوڑی شئے پر قناعت کرے تو اسے کم ازکم جنت سے تو محبت ہونی چاہیئے۔ اگر اس کی طلب کم ازکم ہو تھوڑی سی تھوڑی طلب ہو کم ازکم حوصلہ رکھتا ہو تو اس کی طلب کم ازکم جنت تو ہونی چاہیئے جو مرضیاتِ باری کا مظہر ہے۔ اور یہی ارشاد فرمایا اللہ کریم نے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون کہ اگر انسان اپنی غرض ہی کا بندہ ہے اگر وہ کچھ چاہتا ہے اگر وہ تمنا ہی رکھتا ہے تو پھر کم ازکم جنت کی تمنا تو رکھے اس سے کم تر کوئی چیز کوئی شئے تو اس قابل ہی نہیں کہ اس کی تمنا کی جائے

اور اس سے بڑھ کر تمنا کرنے والے وہ لوگ ہیں جیسے ہمیں کتاب اللہ میں ملتا ہے کہ اولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبین ...... وحسن اولٰئک رفیقا۔ یہ آیت کریم مدنی ہے اور اس کے شانِ نزول میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک صحابی مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور مدینہ منورہ میں عہدِ نبوی میں جو صحابہ کی حالت تھی ظاہر ہے کہ کسی کے پاس پہننے کو پورے کپڑے نہیں تھے حال یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی مہمان آ جائے تو گھر میں دیا نہیں ہوتا تھا اور کھانا حساب کا ہوتا تھا۔ میاں بیوی کہتے تھے کہ ہم صرف منہ چلاتے رہیں گے۔ مہمان محسوس نہ کرے اور یہ غریب کھانا کھالے۔ مسلسل کئی دن فاقوں کی نذر ہو جاتے تھے۔ اس مادی بے سروسامانی کی حالت کا حامل ایک شخص جس کے پاس پورا لباس نہیں ہے، رہنے کو جھونپڑا ہے، کھانے کو گھر میں کچھ نہیں ہے مسجدِ نبوی میں بیٹھا آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان حق ترجمان سے جنت کے فضائل اور جنت کی نعمتوں کی تعریف سنتا رہا۔ جب حضورؐ نے تعریف فرمائی تو عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلّی علیہ وسلم ہم جنت کو کیا کریں گے؟ آپؐ نے حیران ہو کر پوچھا جنت تو اللہ جلّ شانہٗ نے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ میں جنت کی طلب کا حکم دے رہا ہوں۔ تو عرض کرنے لگا یارسول اللہ ہم فاقہ کش ہیں، غریب ہیں مزدور ہیں، مادی لحاظ سے بے سروسامان ہیں۔ لیکن جب جی چاہتا ہے ہم چلے آتے ہیں اور مسجدِ نبوی میں جمالِ مصطفوی سے سیراب ہوتے ہیں، آپکی محفل

میں بیٹھتے ہیں، آپ کی باتیں سنتے ہیں، آپ کا جمال پاتے ہیں۔ اگر ہم جنت میں چلے گئے تو ہمارا درجہ تو اپنا ہوگا اور آپ کے منازل تو اپنے ہوں گے۔ آپ جہاں ہوں گے وہاں ہم تو نہیں ہوں گے۔ تو جب آپ کی محفل نہیں ہوگی تو پھر جنت، جنت کب ہوگی۔ تو اس صحرا نشیں کے اس سوال کے جواب میں اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ میرے نبی کی اطاعت و اتباع خلوصِ دل سے کریں گے انہیں جنت میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی وہ جیسے اب گھر سے اٹھ کر بارگاہِ نبوی میں چلے آتے ہیں ویسے جنت میں اپنے مقام سے نکل کر بارگاہِ رسالت میں اسی طرح حاضر ہوں گے اولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين .... وحسن اولئك رفيقا ان کی محفلیں اللہ کریم نے فرمایا بڑی مزے کی ہوں گی وحسن اولئك رفيقا بہت مزے کی محفلیں ہوں گی۔ وہ انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو سکیں گے۔ صدیقین کی خدمت میں حاضر ہو سکیں گے۔ شہداء اور صلحاء کے پاس آ جا سکیں گے۔ فرمایا رہنے کی جگہ بے شک اپنی ہو لیکن تمہاری ملاقات پر پھر بھی وہاں پابندی نہیں ہوگی۔

محبت تو وہ جذبہ ہے نا جو جنت جیسی نعمتوں کو بھی جمالِ محبوب پہ قربان کیے جا رہا ہے اور یہ محبت الٰہیہ ہی ہے کہ ہم آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں دیکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ شب کو کھڑے ہوتے ہیں اور سحر ہو جاتی ہے پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ نماز میں کھڑے کھڑے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور ریش مبارک تر ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ریش مبارک سے آنسو ٹپکنا شروع ہوتے ہیں اور سینۂ اقدس آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتا ہے۔ ام المؤمنین حبیبۂ حبیب کبریا عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مخلوق کو تو آپ کی شفاعت پہ امید ہے کائنات جس کی سفارش پہ امیدیں رکھتی ہے آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں تو فرمایا افلا اكون عبدًا شكورا او كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فرمایا میرا یہ کھڑا ہونا کوئی جنت کی طلب میں تو نہیں ہے میں اپنے اللہ کے ساتھ مکالمہ باری میں

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از بحرِ حضوری طول دادم داستان را

محبت وہ پاکیزہ جذبہ ہے جس کا نشانہ بہت بلند، بہت دور اور بہت عظیم ہے اسے دنیا کے طالب کو یہ کہنا کہ اسے محبت ہے، یہ محبت کی توہین ہے۔ اس میں محبت کی اہلیت و استعداد ہی نہیں ہے۔ اگر وہ اس قابل ہوتا کہ محبت کر سکتا تو کم از کم ایسی جگہ سے تو کرتا جسے ہمیشہ رہنا ہے اور اگر اس میں جرأت ہوتی اس ذات سے کرتا جس ذات کے ساتھ تمام کمالات وابستہ ہیں اور جس نے سب کائنات کو تمام صاحب کمالات کو کمالات تقسیم فرمائے ہیں۔ سو فرمایا کہ ان سارے لوگوں کا جو اپنے مذہب پر جمے ہوئے ہیں میرے حبیب ﷺ ایک ہی سیدھا سا جواب ہے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں

سچے ہو کہ تمہیں اللہ سے محبت ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی تو پھر تمہاری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرلو۔ اس کے سوا تمہارے پاس کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہے اور پھر جب تم میری غلامی، میرا اتباع اختیار کرو گے یحببکم اللہ تو پھر نہ صرف تمہیں اللہ سے محبت ہو گی بلکہ اللہ کریم تمہیں چُن لیں گے، تمہیں پسند فرمائیں گے، تمہیں محبوب رکھیں گے۔ کجا یہ بات کہ تمہیں اللہ کی طلب ہو اور کجا یہ بات کہ اللہ تمہیں محبوب رکھے لیکن بات یہاں پھر وہی آ کے بنتی ہے کہ اتباع کیلئے پھر محبت شرط ہے۔ بغیر محبت کے کوئی کسی کے پیچھے نہیں چلتا۔ بغیر عقیدت کے محبت نہیں ہوتی۔ اور بغیر محبت کے اطاعت نہیں ہوتی اور جہاں اطاعت نہ ہو وہاں دعویٰ محبت فضول ہے، بے معنی ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا لا یومن احدکم کوئی بھی تم میں سے ایماندار نہیں ہو سکتا اس وقت تک جب تک کائنات ارضی پر بسنے والے ہر فرد و لبشر سے زیادہ میری ذات کو محبوب نہ رکھے من والدہٖ ولدہٖ والناس اجمعین۔ ماں باپ سے، اولاد سے، کائنات کے ہر فرد و لبشر سے اسے اگر عزیز تر ہو تو وہ ذاتِ اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہو۔ چونکہ یہ محبت ہی اسے اتباع پہ مجبور کرے گی۔ اور اتباع ہی ایمان کی شہادت ہے اور ایمان ہی اتباع کو

چاہتا ہے یہ لازم و ملزوم ہیں اور پھر یہاں وہی مصیبت پیدا ہو گی کہ محبت کرنے کیلئے محبوب کے کمال یا جمال سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ محبت کیلئے معرفت شرط ہے، پہچان شرط ہے۔ جب تک اسے معرفتِ رسولؐ حاصل نہیں ہو گی، جب تک وہ عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے آشنا نہیں ہو گا محبت نہیں کر سکے گا اور محبت نہیں ہو گی تو اتباع نہیں ہو گی اتباع نہیں کرے گا تو تباہ ہو جائے گا۔ ہاں ایک بات ہے کہ کوئی اپنے جذبۂ محبت میں بھی صادق ہو۔ اس میں طلب اور تڑپ بھی موجود ہو۔ اتباع کی خلاف ورزی کرنا بھی ناپسند ہو۔ لیکن بحیثیت انسان خطا کار ہوتے ہوئے خطا سے غلطی سے پھر کوئی گستاخی کر بیٹھے پھر کوئی کام ایسا کر بیٹھے جو خدا کو پسند نہ ہو جو خدا کے پیامبر کو پسند نہ ہو جو سنت کے خلاف ہو۔ فرمایا میں اس کی بھی ضمانت دیتا ہوں تم محبت کر کے دیکھو یغفر لکم ذنوبکم۔ اللہ تمہاری لغزشوں سے درگزر فرمائے گا۔ بحیثیت انسان جو تم سے خطا ہو جائے گی اللہ کریم اس سے درگزر فرمائیں گے واللہ غفور الرحیم۔ اللہ تو بہت بڑا بخشنے والا ہے بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت تمام کائنات سے وسیع تر ہے ان رحمتی وسعت کل شیی۔ ساری کائنات کو اگر تم جرائم سے بھر دو تو اس کی رحمت کا ایک شمہ اس کو صاف کرنے کے لئے کافی ہے۔ سو فرمایا اعلان فرما دیجئے۔ اطیعوا اللہ والرسول۔ ایک اور صرف ایک ہی راستہ ہے اللہ کی اطاعت کرو اس طرح سے جس طرح سے اللہ کا رسولؐ

فرماتا ہے۔ رسولؐ کی اطاعت کر کے اللہ کی اطاعت کا ثبوت دو۔ یہاں تھوڑی سی بات ضمناً میں عرض کر دوں کہ لوگ محبت کرنے میں بھی دھوکا کھا جاتے ہیں اور اس طرح کہ محبت نام محبوب کی اطاعت کا ہے اپنی طرف سے کوئی باتِ چسپاں کرنے کا نام محبت نہیں۔ لوگ دھوکے میں رہتے ہیں۔ لوگوں کو محبت اپنے نفس سے ہوتی ہے، اپنی ذات سے ہوتی ہے، اپنی خواہشات سے ہوتی ہے اور اسے نام محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا دے دیتے ہیں۔ یہ خود فریبی ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو پھر حضورؐ کی پسند کا خیال رکھنا ہوگا لیکن اگر محض اکبر الہ آبادی نے کہا تھا نا: ؎

انہیں گانے کی عادت بھی ہے اور ذوقِ عبادت بھی
نکلتی ہیں دُعائیں ان کے منہ سے ٹھُمریاں بن کر

اگر مسجد کا لاؤڈ سپیکر قابو آجائے تو پھر صلوٰۃ وسلام پڑھتے رکتے نہیں اور کسی دن لاؤڈ سپیکر نہ ملے یا بجلی فیل ہوجائے تو ایک بار بھی درُود پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اسے محبت رسول کا نام دینا جہالت ہے، ایک خود نمائی کا جذبہ ہے، اپنے آپ کو سامنے لانے کا ایک شوق ہے، اپنے آپ کو لوگوں پر مسلط کرنے کا ایک جذبہ ہے اور اپنی انا کی تسکین کا نام محبت رسول رکھ دیا ہے۔ اگر محبت ہوتی تو کوئی سنتا تو بھی روتے، نہ سنتا تو بھی روتے، کوئی دیکھتا دیوانہ کہتا تو بھی صلوٰۃ وسلام پڑھتے اور کوئی نہ دیکھتا تو بھی پڑھ رہے ہوتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ذکر اس طرح سے کرو کہ حتیٰ یقول مجنون لوگ کہیں یہ پاگل ہے اسے ہو کیا گیا ہے اپنی طرف سے باتیں وضع کر کے انہیں منسوب کرنا نبی کریم علیٰ تحیۃ والتسلیم کی طرف کہ یہ ارشادِ رسول ہے یا یہ کہہ دینا کہ اس بات پر نبی کریمؐ راضی ہیں جو بات حضورؐ نے کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ دونوں گستاخیاں ہیں اور اسے محبت رسول کا نام دینا خود فریبی بھی ہے، ابلہ فریبی بھی۔ اس بارگاہ میں محبت عشق اور جنون بھی پابندِ ادب ہے۔ ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اس بارگاہ میں محبت بھی بے باک نہیں ہے اِس بارگاہ میں جنوں بھی خود سر نہیں ہے۔ یہاں جنوں بھی آتا ہے تو سلیقے سے، محبت بھی آتی ہے تو طریقے سے، یہاں جو بھی آتا ہے اسے اس بارگاہ کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ یہاں دیوانگی نہیں فرزانگی چاہیئے۔ سو میرے بھائی یہ کسی طرح کی کوئی محبت نہیں کہ انسان مرتکب تو بدعات کا ہو اور دعوئ محبتِ رسول کا ہو۔ محبتِ رسول اتباعِ رسول کو چاہتی ہے اور اتباعِ رسول سنتِ رسول میں ہے۔ بدعت میں نہیں ہے۔ کون بڑا عاشق ہے دنیا میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہ اجمعین سے۔ چشمِ فلک ترستی ہے کہ ایسے لوگ اس نے نہ ان سے پہلے دیکھے اور نہ قیامت تک کبھی ایسے افراد رُوئے زمین پر دوبارہ دیکھنے کی اسے سعادت نصیب ہوگی۔ وکنتم خیرامۃٍ کے پہلے پہلے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین ہیں۔ مخاطب حقیقی وہ ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت مجلسِ نبوی میں موجود تھے

وہ ہیں خیر امہ ، اگر کوئی بعد میں خیر امت ہوگا تو ان کی اتباع میں اور ان کی وساطت اور ان کے وسیلے سے ہوگا۔ ساری امت اگر تمام امتوں سے بہتر ہوگی تو تب ہوگی جب اس سے ان کا اتباع اور ان کی غلامی نصیب ہوگی۔ ورنہ براہِ راست وحی کے مخاطب وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ کریم فرمارہے ہیں کنتم خیر امہ جو مجلس آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں موجود تھے اور صحابہ سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا کون ہے۔

جو فعل صحابہ نے نہیں کیا تھا تعامل صحابہ میں موجود نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے بعد میں آنے والے کو زیادہ محبت ہوگئی اور وہ محبوب کی پسند کو نہ پا سکے۔ یہ صحیح نہیں ہے یہ درست نہیں ہے۔ ہاں لوگوں کو اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے، اپنی خواہشات سے محبت ہوتی ہے۔

مجھے پچھلے دنوں ایک جلسے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک صاحب گویا ہوئے "میں سلسلہ قادریہ سے متعلق ہوں اور تم سارے میرے مُرید ہو۔ تم میرے وسیلے سے سیّدنا شیخ عبدالقادر گیلانی کے مرید ہو اور جب شیخ عبدالقادر گیلانی کو غوثیت ملی تو انہوں نے اللہ سے ستّر شرائط تسلیم کروائیں۔" یہ الفاظ تھے اس آدمی کے۔ اور ان میں سے پہلی شرط یہ تھی کہ جو شخص میرے سلسلہ میں داخل ہو اسے بخش دیا جائے۔ دوسری یہ کہ جب تک میں پاس موجود نہ ہوں تب تک قادری سلسلہ کے کسی شخص کی رُوح قبض نہ کی جائے۔ تیسری شرط یہ تھی کہ منکر اور نکیر قبر میں قادری سلسلے کے شخص سے سوال نہ کریں جب تک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وہاں موجود نہ ہوں۔ چوتھی شرط آپ نے یہ منوائی کہ اللہ میزان عدل پر بھی، حساب کتاب نہ لے گا جب تک میں پاس نہ ہوں گا۔ پانچویں شرط یہ منوائی کہ پل صراط سے اللہ تو قادری سلسلے کے فرد کو اس وقت تک نہیں گزارے گا جب تک میں اس کے ساتھ نہیں ہوں گا۔

تو میں نے کہا۔ میرے بھائی نہ اسے موت کا خوف رہا، نہ منکر نکیر کا، نہ میزانِ عدل کا، پل صراط سے جب گزر گیا تو اس سے آگے تو جنت۔ پھر تو خدا نے خود کہہ دیا کہ جو وہاں سے آگے چلا جائے گا۔ اُسے میں لاٹھی نہیں ماروں گا۔ تو پھر قادر کے پاس تو کچھ نہ رہا سب کچھ عبدالقادر ہی لے گیا۔ اب خدا بیٹھا منہ دیکھتا رہے۔ تمہاری پیروں اور مریدوں کی جو جی میں آئے عیش کرو۔ نہ وہ تم سے حساب لے سکتا ہے۔ نہ اپنی مرضی سے موت دے سکتا ہے۔ نہ تمہارا اپنی مرضی سے عمل تول سکتا ہے اور نہ تم سے کوئی پوچھ گچھ کر سکتا ہے۔ یار بتاؤ تو سہی یہ خدا سے، مصطفےٰ ﷺ سے یا اولیاء سے محبت ہے، یا اپنے نفس سے محبت ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے چور دروازے ڈھونڈے جا رہے ہیں۔ عیش کرنے کیلئے مذہب کے نام پر نفس پرستی کا پرچار کیا جا رہا ہے۔ اور اسے ایک مذہبی تقدس دے کر اپنی عیاشی کا سامان کیا جا رہا ہے

کیا یہ دین ہے ؟ جہاں انبیاء لرزاں اور ترساں ہیں جہاں ملائکہ کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہے ۔ جس بارگاہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دست بستہ کھڑے ہیں ۔ قدم مبارک متورم ہو جاتے ہیں ۔ لیکن حرکت نہیں فرماتے وہاں کسی ولی کا یہ کہہ دینا کہ خدایا تو اس طرح بھی پابند ہے ، اس طرح بھی ۔ اور پھر یہ اولیاءٔ اللہ پر بھی تہمت ہے ، یہ بہتان طرازی ہے اور محض اپنے نفس کی تسکین کے لئے عیسائیوں کی طرح کا عقیدہ گھڑ لیا ہے جیسے انہوں نے کہہ دیا خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو دنیا پر بھیجا اور ہر ماننے والے کے گناہوں کے بدلے اسے سزا دے دی ۔ عقیدہ کفارہ جو عیسائیوں کا ہے وہی یہاں کار فرما ہے ۔ یہ دین نہیں ہے میرے بھائی ۔ دین سیدھی سی بات ہے کہ تو اللہ کا بندہ ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا امتی ہے اور تجھے اپنے امتی ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہے ۔ اپنے اعتقادات سے بھی اور اپنے اعمال سے بھی ، اپنے معاملات سے بھی ۔ جب تک عقیدہ اور عمل کی اصلاح نہیں ہوگی تب تیری جان خلاصی نہیں ہو سکتی ۔ اور کوئی شخص جو تجھے اس سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے وہ شیطان کا نمائندہ ہو سکتا ہے رحمٰن کا نہیں ۔ یہ خود فریبی ہے ، ابلہ فریبی بھی ۔ سو میرے بھائی سیدھا سا اصول ہے فرمایا **اطیعوا اللہ والرسول** اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو ۔ **فان تولوا** اگر یہ بوجھ تم سے نہیں اٹھایا جا سکتا تو **فان اللہ لا یحب الکافرین** ۔ ایسے ظالموں ، ایسے بدکردار ایسے ناشکروں کو خدا بھی پسند نہیں کرتا ۔ سیدھی سی بات ہے اگر یہ بوجھ تم سے نہیں اٹھایا جا سکتا تو تمہاری ذات اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے ۔ پسندیدہ نہیں ہو سکتی ۔ بالکل ایک سیدھا ، ایک عام اور ایک سادہ سا اصول ہے اور اسی کی روشنی میں میں بھی اپنا جائزہ لے سکتا ہوں ، آپ بھی اپنا جائزہ لے سکتے ہیں ۔ ہر فرد کو اپنا محاسبہ خود کرنا چاہیئے ۔ کم از کم اتنا ہی دیکھ لے کہ دن بھر جو میں نے تگ و دو کی ہے ، جو کام کاج کئے ہیں ، جو باتیں کی ہیں ، ان میں سے ان کی نسبت ہی نکال لے کہ اس میں سے کتنے فیصد اللہ کی رضا اور اللہ کے پیغمبر کی سنت کے مطابق ہیں اور اگر اسے خلافِ سنت کا پلہ بھاری ملے تو اصلاح کی ضرورت ہے ۔ وقت ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے ۔ زندگی پاس ہے اس کا بہترین مصرف یہ ہے کہ تمام کوتاہیوں سے توبہ کر کے اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر دے ۔ میں جو ہوں ، میں جیسا ہوں ، حاضر ہوں ۔

اس کے علاوہ دنیا میں کوئی دوسرا راستہ نجات کا ہے ہی نہیں ۔ نہ خدا نے ارشاد فرمایا نہ خدا کے پیغمبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ اسلام بالکل سیدھا سا فطری مذہب ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے اس نے عبادت انہیں امور کو قرار دیا جو انسان کی طبعی ضروریات ہیں ۔ کھانا پینا ، کاروبار بیع وشرائط ، نکاح اور شادی ۔ یہی تمام امور عبادات بھی ہیں ۔ یہ نماز یا روزہ جو ہے یہ تو مزید انعام ہے یہ تو اس سے بڑھ کر ایک حضوری ہے ، ایک شرف باریابی ہے ، ایک ملاقات کا ذریعہ ہے ۔ نماز و روزہ محض عبادت نہیں ہے ۔ بلکہ نماز یا روزہ یہ تو ایک حضوری

اور ایک خاص انعام اور شفقت ہے اللہ کی کہ جسے جہان میں کوئی بھی جس کی بات سننے کو تیار نہ ہو اسے اللہ کریم دن میں پانچ مرتبہ دعوت دیں کہ آ میرے ساتھ باتیں کرلے یہ تو محض انعام ہے اللہ کا۔ ورنہ عبادات تو محض وہ معاملات ہی ہیں جو دن بھر ہم کرتے ہیں ہمارا بولنا چالنا، ہماری دوستی دشمنی، ہمارا خرید وفروخت بیع وشرائط، ہمارے معاملات اولاد کے ساتھ، والدین کے ساتھ۔ احباب کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ۔ یہی معاملات عبادات بھی ہیں۔ انہیں اتباعِ رسالت کا رنگ دے دو تو ساری عبادت بنتی چلی جائے گی اور اگر یہ نہ ہو سکا تو چھوٹے سے چھوٹا فعل جو خلافِ سنت ہو اگر اس پر گرفت ہو جائے تو اس کا جواز کائنات میں سے کہیں سے مہیا نہ کر سکے گا۔

خُداوندِ کریم ہم سب کو اتباعِ سُنّت کی توفیق دے۔ آمین!

○

جواہر پارے

(انتخاب)

حکیم الامت قاری محمد طیب علیہ الرحمۃ
(مہتمم دار العلوم دیوبند)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
الناس کلھم ھالکون الا العالمون
والعالمون کلھم ھالکون الا العاملون
والعاملون کلھم ھالکون الا المخلصون
والمخلصون علی خطر عظیم ،
صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایسی چند بنیادی باتیں ارشاد فرمائی ہیں کہ انسان کی نجات دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انہی باتوں میں منحصر ہے ——— آدمی کی نجات اور آدمی کا نفع اندرونی جوہر سے ہے باہر کے جوہر سے نہیں، آدمی کی نجات اور آدمی کا نفع جب ہے کہ جب کوئی خوبی اور بھلائی اس کے نفس میں آجائے نفس کے اندر پیوست ہو جائے ——— انسان کا کمال اندر کے جوہر سے پیدا ہوتا ہے باہر کے جوہر سے اس کا کمال نہیں ہوتا۔ خوبی وہ ہے جو انسان کے نفس کے اندر پیوستہ ہو۔ ایسا کمال ہو کہ اگر آپ زمین کے اوپر رہیں تب بھی باکمال اور زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے تب بھی باکمال۔ کمال اپنے اندر ہونا چاہیئے باہر نہ ہونا چاہیئے۔ کمال وہ ہے کہ انسان کے نفس میں ہزار آفتیں آئیں مگر وہ باکمال رہے، ہزار مصیبتیں آئیں مگر وہ باکمال رہے۔

اصل چیز تو یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو مانجھے، دل کو صیقل کرے، آئینہ بنائے ——— اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں دو دروازے رکھے ہیں۔ ایک دروازہ کھلتا ہے تو عرش کی چیزیں نظر آتی ہیں دوسرا کھلتا ہے تو فرش کی چیزیں نظر آتی ہیں ——— دل میں آنکھ، ناک، کان کے رستہ سے جب دیکھے گا تو ظاہری چمک دمک پھول بوٹے سب نظر آئیں گے اور اگر ان آنکھ، کان کے دروازے کو بند کر کے دل کے اندر کے دروازے کھولے گا تو عرش کی چیزیں نظر آئیں گی۔ وہاں سے علوم اور کمالات اترنے شروع ہوں گے ——— غرضیکہ دل کے دونوں رستے ہیں۔ اگر اوپر کا دروازہ بند کر دو گے تو صورتیں شکلیں نظر پڑیں گی اگر نیچے کا دروازہ بند کر دو گے تو حقیقتیں کھلنی شروع ہو جائیں گی۔ دل میں

دونوں قسم کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اعلیٰ ترین صلاحیت یہ ہے کہ آدمی اوپر کی چیزوں کو جذب کرے، اوپر کے کمالات کو، علم خداوندی، معرفت الٰہی کو، اخلاقِ ربانی کو، ملائکہ کی صفات کو، جذب کرے گا تو صحیح معنوں میں کامل انسان بنے گا۔ صحیح معنوں میں کامل بشر بنے گا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حدیث میں ایسی ہی بنیادی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ جس سے انسان کا اندرون روشن ہو۔ قلب میں روشنی اور آراستگی پیدا ہو۔ آپؐ نے فرمایا: الناس کلھم ھالکون الا العالمون۔ سارے انسان تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ سب ہلاک ہونے والے ہیں اگر بچیں گے تو اہل علم بچ سکتے ہیں یعنی جہالت میں انسان کی نجات نہیں ہے۔ علم میں انسان کی نجات ہے۔ دنیا کا علم ہو یا دین کا علم ہو علم ہی سے رستہ نظر آتا ہے۔ جہالت سے رستہ نظر نہیں پڑتا۔

جہالت فی الحقیقت ایک اندھیری ہے اور علم فی الحقیقت ایک چاندنا ہے۔ چاندنے میں راستہ نظر پڑتا ہے۔ اندھیرے میں نظر نہیں آتا۔ جہالت میں نہ دنیا کی بھلائی نظر آسکتی ہے نہ آخرت کی۔ آج دنیا اگر آراستہ ہے تو وہ بھی انسان کے علم کی وجہ سے ہے اور اگر آخرت درست ہے تو وہ بھی انسان کے علم کی وجہ سے ہی درست ہے۔

آج یہ آپ کا شہر جگمگا رہا ہے لاکھوں قمقمے بجلی کے روشن ہیں تو شہر میں چاندنا ہے۔ کوٹھی اور بنگلہ روشن ہیں یہ چاندنا آپ کا علم ہے، بجلی کا نہیں ....

(بشکریہ "الحق")

پیامِ اقبالؒ

(ابو سعید)

اقبال کے متعلق گفتگو کا آغاز کرتے ہی یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اقبال کی مختلف اور کئی حیثیتیں ہیں۔ ان میں سے کس حیثیت کو موضوعِ سخن بنایا جائے اور یہ بات کوئی اقبال ہی سے مخصوص نہیں، ہر انسان کی مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں۔ تنہائی میں، گھر میں، معاشرے میں، ملک میں وہ اپنے مخصوص اور علیحدہ رویے کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ شیکسپیئر تو یہاں تک کہہ گیا کہ :-

"World is a stage and man is an actor."

گو اس مقولے میں شیکسپیئر کی سطحیت نمایاں ہے۔ مگر جزوی طور پر یہ بات کسی حد تک درست ہے۔ سطحیت اس لئے کہ ایکٹر اور سٹیج کے تعلق سے دیکھا جائے تو ایکٹر کی نہ کوئی مخصوص حیثیت ہوتی ہے نہ ممیز شخصیت۔ ایک لمحے وہ سٹیج کی کرسی پر بیٹھا نظر آتا ہے دوسرے لمحے وہ ہتھکڑیاں پہنے ملزم کے کٹہرے میں کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ ابھی وہ نماز پڑھ رہا ہے اور ابھی وہ نقب زنی میں مصروف نظر آتا ہے۔ لہٰذا انسان ایکٹر نہیں۔ ہاں اس کی مختلف حیثیتیں ضرور ہیں اور ہر حیثیت میں اسکی مرکزی حیثیت جھلکتی نظر آتی ہے۔

اقبال کی چند وہ حیثیتیں جو واضح طور پر سامنے آتی ہیں وہ ہیں۔ فلسفی اقبال، شاعر اقبال، سیاسی اقبال، مسلمان اقبال، مبلغِ اسلام اقبال اور عاشقِ رسولؐ اقبال وغیرہ۔ ظاہر کہ جو شخص اقبال پر گفتگو کرے گا وہ اپنے مخصوص مذاق کے مطابق اقبال کی ایک خاص حیثیت سامنے رکھ کر اس پر بحث کرے گا۔ اس لئے اس کو اقبال کا جزوی مطالعہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اقبال پر اپنی بساط بھر اسکی ہر حیثیت سے گفتگو کی جائے۔

فلسفی اقبال :- جہاں تک فلسفے کے مطالعہ کا تعلق ہے اقبال نے مغربی اور مشرقی، قدیم اور جدید فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس نے مسلمان کی نگاہ سے مطالعہ کیا اور اس مطالعہ سے جو نتائج اخذ کئے وہ قابلِ قدر ہیں۔ اس کی کتاب "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" اس کی

واضح مثال ہے۔ اس نے قوم اور قومیت، اسلام اور مسلمان وغیرہ موضوعات پر کامل طور پر فلسفیانہ انداز میں بحث کی ہے۔ مگر اسے سکون نہ مل سکا اور بے اختیار کہہ اٹھا ؎

شنیدہ ام سخنِ شاعر و فقیہہ و حکیم
اگرچہ نخل بلند است برگ و بر نہ دہد

کہیں وہ فلسفہ کو زندگی سے دوری سے تعبیر کرتا ہے۔ لیکن یہ شکایت کرتا ہے کہ فلسفہ کا حاصل بے حضوری کے سوا کچھ نہیں۔ فلسفہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کوئی من چلا تو یہاں تک کہہ گیا ہے کہ فلسفہ کیا ہے۔

To search for a black cat in a dark night in a dark room which is not there.

اسے طنز یا مبالغہ کہا جا سکتا ہے مگر ایک سراپا عمل آدمی کو محض فلسفہ مطمئن نہیں کر سکتا۔ اقبال نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ ؎

دوستاں خرم کہ بر منزل رسید آوارۂ
من پریشاں، جادہ ہائے علم و دانش کردہ طے

اور ایک مقام پر زندگی کے حوالے سے فلسفہ اور جوشِ کردار کا مقابلہ کرتے ہوئے تو یہاں تک کہہ گیا ہے کہ ؎

بوعلی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردۂ محمل گرفت

فلسفہ کی انتہا ظن و تخمین ہے۔ اس لیے اقبال کہتا ہے ؎

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

اور فلسفہ کی پوری تاریخ کے متعلق کہتا ہے "یہ انسان کی ذہنی مالویسیوں اور ناکامیوں کا افسانہ ہے۔ جسے عرف عام میں تاریخ فلسفہ کہتے ہیں۔ (اقبال نامہ) اس لئے فلسفہ کی انتہا کو پہنچ کر وہ اپنے رب سے دُعا کرتا ہے ؎

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

شاعر اقبالؒ:- اقبال کی یہ حیثیت بہت نمایاں ہے۔ اس کی وجہ خواہ مسلسل پروپیگنڈا ہو یا حقیقت۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال کی شہرت زیادہ تر بطور شاعر کے ہوئی ہے۔ اقبال کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شاعری فن برائے فن کے نظریہ کی آئینہ دار نہیں بلکہ اس میں بھی اس کی مرکزی حیثیت نمایاں نظر آتی ہے۔ ایک ادبی نقاد تو اس کی شاعری میں تخیل کی بلندی، محاکات، تمثیل، تغزل، ترنم فصاحت و بلاغت، بحر، قافیہ، صنائع بدائع لفظی اور معنوی وغیرہ کی تلاش کرے گا۔ اور شاید اس کے کلام میں ہر خوبی کم و بیش مل ہی جائے گی۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ اقبال کے مداح اس کی ہر خوبی کو اتنا بڑھائیں گے کہ اقبال ہر اعتبار سے ایک مثالی شاعر قرار پائے۔ اور جنہیں اقبال سے نظریاتی اختلاف ہے وہ اگر اقبال کے کلام پر

تنقید کا بیڑا اٹھائیں گے تو ممکن ہے اس کی ہر خوبی کو عیب بنا کے اور ثابت کر کے دکھا دیں۔

اور جو نہ یہ ہیں نہ وہ ہیں۔ وہ نہ جانے کیا کیا کہہ اٹھیں جیسا ایک سردار جی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اقبال کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے اور اقبال کی اس خوبی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہ اقبال پنجابی کا دلدادہ تھا۔ کہنے لگے دیکھئے! اقبال نے کہا ہے

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو بُرا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے

ظاہر ہے اقبال لفظ کبھی کے استعمال کر سکتا تھا مگر اس نے پنجابی لفظ کدوں کے استعمال کیا۔

بہر حال اقبال کی شاعرانہ حیثیت اگر معیاری نہیں تو قابلِ رشک ضرور ہے۔ مگر خود اسے اپنی اس حیثیت پر مطلق ناز نہیں۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را!

یعنی اقبال نے شاعری کو مقصد تک پہنچنے کے ذریعہ کے طور پر اختیار کیا۔ اسے بطور مقصد نہیں اپنایا۔ گویا اقبال کا نظریہ فن برائے فن نہیں تھا۔ بلکہ فن برائے زندگی تھا۔

شاعری کو ذریعہ کے طور پر اختیار کرنے کی وجوہ مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک وجہ تو یہ ہے کہ شعر کی زبان میں بات کہنا مفید اور مؤثر ہوتا ہے کیونکہ اثر آفرینی شعر کی خصوصیات میں سے ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کہنے والا واعظ ناصح یا مبلغ محسوس نہیں ہوتا اور ایک لاابالی مزاج کو ناصح سے جو کد ہوتی ہے اس کا سوال اٹھ جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ قوم گانے کی رسیا بن چکی تھی۔ اس لئے اقبال نے غالباً یہ مناسب سمجھا کہ اپنی بات، انسانیت کا پیغام ایسے دل کش اور خوشنما کیپسولوں میں لپیٹ کر پیش کی جائے کہ قوم اگر انہیں لپک کر نہ بھی لے تو کم از کم ٹھکرائے نہیں۔ اور اس کے ماتھے پر شکن نہ آنے پائے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں اقبال لکھتا ہے "میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ فنِ شاعری سے مجھے دلچسپی نہیں۔ ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کیلئے اس ملک کے حالات و روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کیا ہے۔"

چنانچہ اقبال کے کلام کا از اول تا آخر مطالعہ کر لیا جائے۔ اس میں ہر مقام پر انسانیت کی بنیادی قدروں، اسلام کی خصوصیات اور برکات اور عظیم اسلامی شخصیتوں کے کارناموں کے بغیر آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔

اسی پر بس نہیں اقبال تو اپنے آئیڈیل اپنی محبوب شخصیت کے سامنے شکوہ کرتا ہے کہ ؎

مرا یاراں غزلخوانے شمردند۔

اور جو اسے شاعر سمجھتا ہے اس کے متعلق کہہ گیا ہے ؎

نہ بینی خیر ازاں مردِ فرو دست
کہ بر من تہمت شعر و سخن بست

اقبال کا اپنے آپ کو شاعر نہ سمجھنا ایک قدرتی امر ہے جو لوگ مقصد اور ذریعہ کے فرق کو سمجھتے ہیں وہ اقبال کی بات میں کوئی انوکھا پن محسوس نہیں کریں گے۔ اس کی نگاہ مقصد پر تھی۔ ذریعہ کو وہ ثانوی حیثیت دیتا تھا۔ اسی لئے اسے شکایت تھی ان لوگوں سے جنہوں نے ذریعہ کو مقصد بنا کے پیش کر دیا۔ جہاں تک حقیقت نفس الامری کا تعلق ہے اقبال کی شاعری کے متعلق مولانا محمد علی جوہر کے الفاظ اس کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ جوہر کہتے ہیں :۔

"بحیثیت شاعر، اقبال بیسویں صدی کے ہند میں نشاۃ ثانیہ کے علمبردار تھے۔ اسلامی ہند سوائے اس پنجابی گوشہ نشین اور شرمیلے بیرسٹر کے کسی اور کا ممنون نہیں۔" (آثارِ اقبال)

سیاسی اقبال

سیاسی اقبال :۔ اقبال نے دنیا میں متداول اور خدا نا آشنا سیاست پر ایک مسلمان سیاسی کی حیثیت سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ نئے اور پرانے سیاسی نظاموں کو ہدفِ تنقید بنایا۔ اس نے آمریت، شہنشاہیت اور مغربی جمہوریت کے حقیقی خدوخال سے پردہ اٹھایا ہے۔ مغرب نے مذہب سے دستبرداری کے بعد خانہ پری کیلئے قومیت کا جو بُت تراشا اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور موجودہ دنیا میں جس سیاسی نظام کا سب سے زیادہ غلغلہ ہے وہ ہے جمہوریت۔ مغرب ہو کہ مشرق بس جمہوریت ہی کو معراج کمال اور تمام دکھوں کا مداوا سمجھتا ہے۔

اقبال نے مغربی جمہوریت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اس سر شماری کے نتیجے میں جس طرف کثرت رائے ہوا سے اس جمہوریت میں گویا حسن و خوبی کی سند حاصل ہو گئی۔ اقبال اسی اصول کی نفی کرتے ہوئے مغرب کے جمہوری نظام کا دوغلاپن ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

مجھ سے کچھ پنہاں نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

مسلمان اقبال

مسلمان اقبال :۔ مسلمان کی ایک خصوصیت بلکہ بنیادی خصوصیت جسے اقبال نے اپنی ذات میں محسوس کر کے اپنے رنگ میں بیان کی وہی اس کی مرکزی حیثیت کا اہم جزو ہے۔ اور وہ ہے تعلق باللہ۔ اقبال کے نزدیک زندگی نام ہی تعلق باللہ کا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتم او زار نیست

اور مسلمان کو مسلمان بنانے کے لئے اپنے خالق سے یہ دعا کرتا ہے۔ ؎

ذوقِ حق دِہ ایں خطا اندیش را
ایں کہ نشناسد متاعِ خویش را

اسی تعلق باللہ کی کمی کی وجہ سے مسلمان فرد ہو یا قوم، اسلام سے دور بلکہ شرفِ انسانیت

سے بھی گر جاتا ہے۔ اس تعلق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے وہ یہاں تک کہہ گیا ہے کہ ؎

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

یہ سحر خیزی کیا ہے؟ تعلق باللہ کی علامت، تعلق باللہ کا ذوق۔ ذرا اس بات کو سوچیئے کہ آپ کسی سے اپنے تعلقات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ آپ کو اپنے گھر بلاتا ہے۔ بار بار دعوت دیتا ہے اور آپ کے قدم نہیں اٹھتے تو آپ کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ میرے روابط ہیں، تعلقات ہیں، عقیدت ہے محبت ہے۔

بس سحر خیزی کی یہی تو حقیقت ہے

ہاں اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ جسے مال کی محبت ہو وہ خوب محنت کرتا ہے کہ مال حاصل کرے اور جسے زیادہ محبت ہو وہ اوور ٹائم بھی لگاتا ہے۔ یہ سحر خیزی کیا ہے؟ اوور ٹائم ہے۔ شدت جذبات اور گہرے تعلق کی علامت ہے۔ اس قلبی تعلق کی ضرورت اور افادیت ایک شعر میں بیان کر دی۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مبلغ اقبال :- ماہرین فلسفہ و اخلاق کا کہنا ہے کہ کوئی خوبی اس وقت تک خوبی شمار نہیں ہوتی۔ جبتک وہ متعدی بر غیر نہ ہو۔ سورج کا کمال یہ نہیں کہ وہ روشن یا گرم ہے۔ بلکہ اس کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ روشنی پھیلاتا اور گرمی پہنچاتا ہے۔ اس لئے مسلمان اقبال اس پر اکتفا نہیں کرتا۔ کہ اس کی ذات کا قلبی تعلق اپنے خالق سے قائم ہو جائے اور پختہ ہو جائے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ یہ دولت عام ہو۔ چنانچہ اپنے رب سے یہی مانگتا ہے کہ ؎

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

اور اپنی شاعری کی ساری جد وجہد کا حاصل یہ قرار دیتا ہے کہ ؎

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ وفغاں نیز کنند

اقبال نے اس مہم کو اتنی وسعت دی ہے کہ مختلف عنوانوں سے قوم کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ کہیں وہ مسلمان بچوں سے مخاطب ہے، کہیں جوانانِ قوم سے خطاب کر رہا ہے، کہیں مسلمان خواتین کو اپنا مقصدِ تخلیق یاد دلا رہا ہے، کہیں اہل مدرسہ کو تلقین کر رہا ہے، کہیں مسلمان حکمرانوں کو اسلام کے اصولِ حکمرانی کی تبلیغ کر رہا ہے۔ انسان آنکھیں کھول کر اقبال کے کلام کا مطالعہ کرے تو اقبال کے اس دعوے کی تصدیق قدم قدم پر ہوتی ہے کہ ؎

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار آ درم ناقۂ بے زمام را

بچے قوم کا اصل سرمایہ ہیں۔ تعلیم وتربیت

پاکر جوان ہوتے ہیں اور قومی مسائل کا بار ان کے کندھوں پر رکھا جاتا ہے۔ جو تعلیمی نظام رائج تھا اور اب بھی ہے اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اقبال کہتا ہے ؎

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اس تعلیم کے اثرات جنس لطیف پر جو پڑتے ہیں ان کا بیان یوں کرتا ہے ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

یعنی یہ علم کے مراکز دراصل روحانی اور اخلاقی قتل گاہ ہیں۔ علم کی حقیقی رُوح بلند اخلاق ہیں اور آتے ہیں دین کی تعلیم سے۔ جبھی تو کہتا ہے ؎

بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

اس بنا پر خواتینِ اسلام کو مشورہ دیتے ہوئے کہتا ہے ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری!

اس مشورہ سے بغاوت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ان آغوشوں سے ٹیڈیوں اور ہپیوں کی فوج ظفر موج تھوک کے حساب سے برآمد ہو رہی ہے۔

عاشقِ رسول اقبال :- زندگی نام ہی عمل

کا ہے۔ اقبال کے نزدیک عمل کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ وہ اعلان کرتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عمل کے لئے کوئی محرک ہونا ضروری ہے۔ انسان کے ہر عمل کیلئے ارادہ ہونا ضروری ہے۔ عام طور پر عمل کے محرک دو شمار ہوتے ہیں۔ علم اور محبت۔ پھر علم کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ دفع مضرت اور جلب منفعت۔ یعنی انسان کو جب علم ہوتا ہے کہ اس کام کے کرنے کا یہ فائدہ ہے یا نہ کرنے کا یہ نقصان ہے تو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کر کے مناسب عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور علم صحیح صرف دینِ حق ہی بتاتا ہے۔ کیونکہ مفید اور مضر کا صحیح معیار وہی ہے جو دینِ حق نے مقرر کیا ہے۔ مگر اصولاً اور عملاً یہ دیکھا گیا ہے کہ صرف علم اور عقل انسان کا اصل اور قوی محرک نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ قوت اور ہی ہے جسے جذبہ کہو، شوق کہو، محبت کہو یا عشق۔ چنانچہ پروفیسر جوڈ نے اپنی مشہور کتاب Decandance میں لکھا ہے کہ انسان کی عقل اس کے جذبات کے پیچھے یوں چلتی ہے جیسے کُتے کے پاؤں اس کی ناک کے پیچھے چلتے ہیں۔ اقبال اس سے بھی ترقی کر کے کہتا ہے ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

شوق و محبت کیلئے کوئی آئیڈیل، کوئی محبوب، کوئی
مطلوب ضروری ہے۔ مجرد تصورات سے محبت بڑی
مشکل ہے۔ انسان کی فطرت کسی محسوس اور
مشاہدہ میں آنے والی صورت کا تقاضا کرتی ہے۔
۱۹۲۴ء کی بات ہے۔ ٹیگور
سے کسی نے پوچھا تھا کہ برہمو سماج کے اصول
نہایت منصفانہ ہیں تو اس کی ناکامی کے اسباب
کیا ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ "ان اصولوں کے
پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی صورت نہ تھی جو ہماری
توجہات کا مرکز بنتی"۔

انسان کے اس فطری داعیہ کی تسکین
کیلئے اسلام نے جہاں یہ اعلان کیا کہ ان هذا
القرآن یهدی للتی هی اقوم۔ اور
اقبال نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ؎

اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق
سرعت اندیشہ پیدا کن چو برق

اور اہلِ فن جو کہہ گئے ہیں کہ تصریح کی نسبت
ایہام زیادہ بلیغ ہوتا ہے تو اقبال نے اس
صنعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن کے متعلق
یہ کہہ دیا کہ ع

ایں کتاب نیست چیزے دیگر است۔

وہاں اسلام نے انسان کے شوقِ
عمل کو بیدار کرنے کیلئے یہ ہدایت کردی کہ لقد
کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ط
بلکہ عمل میں پوری قوت پیدا کرنے کیلئے یہانتک
فرما دیا کہ فلا وربک لا یؤمنون
حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا
فی انفسھم حرجا مما قضیت ط
یعنی ایمان کی حلاوت اور ایمان کی برکات سے تم
آشنا ہو ہی نہیں سکتے جبتک رسولِ کریمؐ کا اتباع
دل و جان سے نہ کرو۔

اتباع کی یہ کیفیت پیدا کیسے ہوتی ہے
یہ عقدہ رسولِ کریمؐ نے کھول دیا اور فرمایا۔
لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب
الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس
اجمعین ط

یعنی تم ایمان کی حقیقت اور اس کی
حلاوت سے آشنا ہی نہیں ہو سکتے جبتک تمہارے
دل میں ماں، باپ، اولاد بلکہ ساری دنیا سے بڑھکر
محبت میری ذات سے نہ ہو۔ اب اقبال کا شعر پھر
پڑھیئے کہ ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اقبال نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا اور ایسا سمجھا تھا کہ
اس کا یہ پہلو اس کی مرکزی حیثیت کا ایک تابناک
پہلو ہے۔ مسلم فرد کی زندگی میں اس کا مقام بیان
کرتا ہے ؎

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

اس لئے مشورہ دیتا ہے ؎

سوزِ صدیق و علی از حق طلب
ذرۂ عشقِ نبیؐ از حق طلب

فرد سے ترقی کرکے وہ ملّتِ اسلامیہ کو مشورہ
دیتا ہے کہ ؎

زانکہ ملت را حیات از عشق اوست
برگ و سازِ کائنات از عشق اوست

مومن کی عملی زندگی میں عشقِ رسول کا
عملاً جو مقام ہے اس کے متعلق تو اقبال کی نگاہ
یہاں تک گئی ہے کہ ؎

می توانی منکرِ یزداں شدن
منکر از شانِ نبی نتواں شدن

اقبال کو عشقِ رسولؐ کی دولت پر
اتنا ناز تھا کہ حضور رسالتمآبؐ میں عرض کرتا ہے ؎

امنگیں مری آرزوئیں مری
امیدیں میری جستجوئیں مری
مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا گداز
مری خلوت و انجمن کا نیاز
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

اقبال جہاں حقیقی عشقِ رسولؐ
کا حامل بھی ہے اور داعی بھی۔ وہاں محبت کی
محض ایکٹنگ کرنے کا مخالف بھی ہے۔ چنانچہ
لکھتا ہے۔ ؎

چوں بنامِ مصطفیٰؐ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود

عشق می گوید کہ اے محکومِ نفس
سینۂ تو از بتاں مانند قفس
گر نہ داری از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او

لہٰذا اقبال کا پیغام تو بس یہی ہے کہ ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

سلوک اور مجاہدہ

(فیض الرحمٰن ۔ اسلام آباد)

شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی تصنیف عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں کہ مشائخ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کی روحانیت کی بنیاد مندرجہ ذیل چار چیزوں پر ہے۔

۱۔ کم کھانا ۲۔ کم سونا ۳۔ کم بولنا ۴۔ لوگوں سے الگ تھلگ رہنا۔

روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ اور ابراہیم ادھمؒ تین تین دن بھوکے رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ چھ دن بھوکے رہتے تھے۔ خود ہمارے جد امجد شیخ محمد بن عبداللہ چالیس دن تک بھوکے رہتے تھے۔ بھوکے رہنے کا انتہائی درجہ ہمارے زمانے میں ایک شخص زاہد خلیفہ نے حاصل کیا ہے۔ وہ ہر مہینے میں صرف ایک بادام کھاتا ہے۔ جو شخص صرف خدا کے لئے بھوکا رہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے باطنی مسرت عطا کرتا ہے کہ وہ کھانے کو بھول جاتا ہے۔ اگر نہ بھی بھولے تو بہرحال اس کا قلب انوار و تجلیات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفس دنیاوی کھانوں اور حیوانی خواہشوں کو حقیر سمجھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اس کے لئے حقیقت بن جاتا ہے۔

"میں اپنے پروردگار کے پاس رات گزارتا ہوں اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے"۔

شیخ سہل بن عبداللہؒ سے پوچھا گیا کہ جو شخص چالیس یا زیادہ دن تک بھوکا رہتا ہے اس کی بھوک کا شعلہ کہاں تک چلا جاتا ہے؟ فرمایا "خدا کا نور اسے بجھا دیتا ہے"۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ چار چیزوں کے جاننے سے مجاہدہ تمام ہوتا ہے۔ پہلی یہ کہ خدا تعالےٰ کو پہچانیں۔ دوسری یہ کہ خدا تعالےٰ کے دشمن ابلیس کو اچھی طرح سمجھیں۔ تیسرے اس بات کو دھیان میں رکھیں کہ ہمارا نفس اکثر و بیشتر برے کاموں کی طرف ہی رغبت دلائے گا۔ چوتھے یہ کہ جو عمل بھی کرے وہ صرف اللہ کے لئے کرے۔

مجاہدہ کی ابتداء:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجاہدات کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کو یہ قوت فیضانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حاصل تھی۔ یہ قوت تابعین میں بھی تھی۔

مگر صحابہ سے کم۔ تبع تابعین میں یہ قوت اور کم ہو گئی۔ اور اس کمی کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مختلف مجاہدات وریاضات کے طریقے ایجاد کئے۔

صوفیائے متقدمین کے ہاں چار طرح کے مجاہدات مروّج تھے۔ یعنی تقلیلِ طعام (کم کھانا) تقلیلِ منام (کم سونا)، تقلیلِ کلام (کم بولنا) اور تقلیلِ اختلاط مع الانام (مخلوق سے اختلاط میں کمی) اور مجاہدات پر بطورِ خاص زور دیا جاتا ہے۔

صوفیائے متاخرین نے جب طبائع میں کمزوری دیکھی تو مجاہدے کی دو اقسام (تقلیلِ طعام و تقلیلِ منام) بالکل ترک کر دیں۔ البتہ دو اقسام (تقلیلِ کلام و تقلیلِ اختلاط مع الانام) کو جاری رکھا۔ زمانۂ حال میں جب طبائع میں مزید کمزوری آ گئی اور دین کا شغف لوگوں میں مفقود ہوتا گیا تو مجاہدات کی تمام اقسام ترک کر دی گئیں۔ اب سلوک کے تمام منازل اللہ کے فضل وکرم سے ذکر اللہ (پاس انفاس) کے ذریعے اور شیخ المکرم کی توجہ اور ہمت سے طے کرائے جاتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں فرائض و واجبات کی پابندی اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کی بطورِ خاص تاکید کی جاتی ہے۔ کہ شریعت پر عمل کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

متذکرہ صدر مجاہدات پر عمل ہمارے اس دور میں قریب قریب محال یا ناممکن ہو گیا ہے۔ تاہم بعض جزئیات پر عمل کرنا ازحد ضروری ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

اعمالِ صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے۔ کیونکہ اعمال، نفس کی خواہش کے خلاف ہوتے ہیں۔ نفس ان منازعت ضرور کرتا ہے۔ اس لئے مخالفتِ نفس کی عمر بھر ضرورت ہے۔ ہم جتنے گناہوں میں مبتلا ہیں سب کی اصل یہ ہے کہ ہم نفس کو مشقت سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور جتنے اوامر کو ہم ترک کر رہے ہیں اس کی اصل بھی یہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اصلاحِ اعمال و اصلاحِ نفس کا مدار مجاہدۂ نفس پہ ہے۔ چنانچہ بے نمازی اسی لئے بے نمازی ہے کہ وہ اپنے کا اتباع کرتا ہے اور اس کو آرام دیتا ہے۔ اگر وہ مجاہدۂ نفس کرتا تو بے نمازی نہ ہوتا۔ نفس ہر حال میں آرام اور لذت چاہتا ہے۔ اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس کو مشقت کا عادی بنایا جائے۔

ریاضت و مجاہدہ کی اقسام

مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں" ایک مجاہدۂ اختیاریہ دوسرا مجاہدۂ اضطراریہ"۔ جب کسی پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو اس کو مجاہدۂ اضطراریہ میں مبتلا کرکے صبر دے دیتے ہیں۔ جس سے رفعِ درجات ہوتا ہے۔

پس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود قلتِ طعام اور قلتِ منام کو اختیار کیا۔ (اس کو مجاہدۂ اختیاریہ کہتے ہیں) اور ایک یہ کہ خود تو قلتِ طعام وغیرہ کو اختیار نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ (اس کو مجاہدۂ اضطراریہ کہتے ہیں۔ مثلاً بچہ مر گیا یا شدید قسم کی بیماری نے آ گھیرا۔ اس پر اس نے صبر کیا۔ اس سے رفعِ درجات ہوا۔ ان مجاہداتِ اضطراریہ سے نفس کی تہذیب ہو جاتی ہے چنانچہ رنج و غم میں اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔

ساری فضول خان اور فرعونِ بے سامانی رخصت ہو جاتی ہے۔ جو مجاہداتِ اختیاریہ سے برسوں میں حاصل نہ ہو، وہ ان مجاہداتِ اضطراریہ سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور نفس ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ مجاہدۂ اختیاریہ میں تو فعل کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں انوار زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ انوار کا ترتب عمل پر ہوتا ہے۔ اور مجاہدۂ اضطراریہ میں یہ فعل کم ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں نورانیت کم ہوتی ہے۔ لیکن اس میں انفعال کا غلبہ ہوتا ہے اس سے قابلیت میں قوت بڑھتی ہے۔ اور اس انفعال و قابلیت کی خود اعمالِ اختیاریہ کے راسخ ہونے ہونے میں سخت ضرورت ہوتی ہے۔

ریاضت و مجاہدہ کے ارکان

بلحاظِ ارکان مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجاہدۂ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی بنایا جائے۔ مثلاً کثرتِ نوافل سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے طعام کی حرص وغیرہ کو کم کرنا۔ اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفت نفس ہے۔ کہ جس وقت نفس معصیت کی طرف مائل ہو اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا۔ اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے۔ اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہو گا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہو گی۔ لیکن اگر بغیر مجاہدۂ جسمانیہ کے کسی کو نفس پر قدرت حاصل ہو جائے تو اس کو مجاہدۂ نفسانیہ کی ضرورت نہیں۔ مگر ایسے لوگ شاذ ہیں۔ اسی واسطے صوفیہ مجاہدۂ جسمانیہ کا بھی اہتمام کرتے رہے ہیں۔ اور اس کے چار ارکان تھے۔ (جیسے کہ پہلے ذکر چکا ہے) قلتِ طعام قلت کلام، قلتِ منام اور قلت اختلاط مع الانام۔ جو شخص ان کا عادی ہو جائے گا۔ واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو جائے گا۔ اور تقاضائے معصیت کو ضبط کر سکے گا۔ اور مجاہدۂ نفسانیہ (کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کرنا) یہ بات اس وقت حاصل ہو گی۔ جب کہ نفس کی جائز خواہشات کی بھی (کسی حد تک) مخالفت کی جائے۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہے تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی درخواست کو رد کر دیا جائے اور کبھی کبھی سخت تقاضے کے بعد اس کی جائز خواہش پوری کر دی جائے تاکہ نفس بالکل پریشان ہو کر کام ہی نہ چھوڑ بیٹھے کیونکہ

ع مزدور خوشدل کند کار بیش۔

انسان جب مباحات میں مخالفتِ نفس کا عادی ہو جاتا ہے اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہو جاتا ہے اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد چھوڑ دیتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو دبا نہیں سکتا۔

مجاہدۂ جسمانی کو مجاہدۂ اجمالی بھی کہا جاتا ہے اور مجاہدۂ نفسانی کو ریاضتِ تفصیلی بھی کہتے ہیں۔ مجاہدۂ اجمالی کے ارکان (قلتِ طعام وغیرہ) کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ مجاہدۂ نفسانی یا ریاضت تفصیلی

کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اوّل اخلاقِ حمیدہ کہلاتی ہے جیسے توبہ، صبر، شکر وغیرہ۔ قسم دوم عاداتِ رذیلہ یا اخلاقِ ذمیمہ کہلاتی ہے۔ مثلاً حسد، تکبر، عجب ریاء وغیرہ۔ ان دونوں اقسام کا تفصیلی تذکرہ اخلاق کے ذیل میں آئے گا۔ اور اخلاقِ حمیدہ کے حصول کے طریقے اور اخلاقِ ذمیمہ سے نجات کے طریقے بھی درج کئے جائیں گے۔ انشاءاللہ۔

طریقِ تکمیل:۔ تکمیل کے دو درجے ہیں۔ ایک تخلیہ اور ایک تحلیہ۔ تحلیہ کو تجلیہ بھی کہتے ہیں۔ تحلیہ کے معنی لغت میں آراستہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاحِ صوفیہ میں اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ سالک اپنے کو اخلاقِ حمیدہ اور تعلق مع اللہ سے آراستہ کرلے۔ جس کا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونا ہے۔ اور تخلیہ کے معنی لغت میں خالی کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں سالک کا اپنے کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرنا اور غیر اللہ سے تعلق منقطع کرنا ہے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک کیلئے تحلیہ اور تخلیہ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تحلیہ کو مقدم کیا جائے یا تخلیہ کو۔ مشائخ میں دونوں طریقے مروج رہے ہیں۔ بعض تحلیہ کو مقدم کرتے ہیں۔ اس کے بعد تخلیہ کراتے تھے۔ بعض تخلیہ کو مقدم کرتے تھے اور اس کے بعد تحلیہ کرتے تھے۔ ہر دو طریق سے کامیابی ہوتی ہے۔ جیسے معالجات امراضِ جسمانیہ میں دونوں طریقے رائج ہیں۔ حکمائے یونان تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں یعنی مسہل وغیرہ دے کر پہلے مادۂ فاسد کو نکالا جاتا ہے بعد میں تقویت طبع کا اہتمام کیا جاتا ہے اور حکمائے یورپ کی رائے یہ ہے کہ مرض کی حالت میں سب سے پہلے تقویتِ طبع کا اہتمام کرنا چاہیئے یعنی تحلیہ کو مقدم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تحلیہ سے تخلیہ خود بخود ہو جاتا ہے۔ یعنی جب طبیعت قوی ہوجاتی ہے تو وہ مرض کو خود زائل کردیتی ہے۔ اسی طرح صوفیہ کی رائے بھی مختلف ہے بعض کے یہاں صفاتِ حمیدہ اور تعلق مع اللہ پہلے پیدا کیا جاتا ہے پھر ذمائم کی اصلاح کی جاتی ہے اور بعض کے یہاں صفاتِ رذیلہ اور تعلق غیر اللہ کو اوّل قطع کیا جاتا ہے پھر صفاتِ حمیدہ اور تعلق مع اللہ پیدا کیا جاتا ہے۔ مگر اس میں قول فیصل یہ ہے کہ نہ تحلیہ کو مطلقاً مقدم کیا جائے اور نہ تخلیہ کو۔ بلکہ دونوں کو دوش بدوش چلنا چاہیئے۔ اگر تحلیہ کو مقدم کیا گیا تو بعض دفعہ رذائل ایسے قوی ہوتے ہیں کہ سارا تحلیہ بیکار ہوجاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص سر سے پیر تک پاخانہ میں بھرا ہوا ہو تو اس کے بدن پر عطر ملنا بے کار ہے۔ اسی طرح اگر تخلیہ کو مقدم کیا تو اتنا زمانہ تحلیہ کی برکات سے خالی جائے گا۔ پھر ممکن ہے کہ تخلیہ میں دیر لگ جائے اور کوتاہی عمر کی وجہ سے تحلیہ کی نوبت ہی نہ آئے تو یہ شخص تعلق مع اللہ سے بالکل ہی کورا رہ جائیگا اس لئے محققین کی رائے اب یہ ہے کہ تحلیہ اور تخلیہ ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے۔ چشتیہ کے ہاں پہلے

تخلیہ مقدم تھا اور اب بھی ان کو تحلیہ کے ساتھ تخلیہ کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پہلے یہ حالت تھی کہ برسوں مجاہدات کراتے تھے پھر مدت کے بعد بارہ تسبیح وغیرہ تعلیم کرتے تھے اور نقشبندیہ پہلے ہی دن ذکر تعلیم کر دیتے تھے۔ ان کے ہاں تحلیہ مقدم تھا۔ بعد میں تخلیہ کراتے تھے۔ اور اب گو دونوں سلسلوں کے محققین کی رائے بدل گئی ہے مگر اس سب کے باوجود اہل تربیت جو محقق ہیں طالب کے مزاج پر زیادہ مدار رکھتے ہیں۔ جس کی وہ اپنی خداداد بصیرت سے تشخیص کر لیتے ہیں۔

پس چہ باید کرد :۔ مندرجہ بالا تفصیل برائے مجاہدۂ جسمانی و نفسانی "شریعت اور طریقت" (افاداتِ حضرت تھانویؒ) میں بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیائے متقدمین کے ہاں مجاہدۂ جسمانی چار طرح پر کرایا جاتا تھا۔ یعنی قلتِ طعام۔ قلتِ منام۔ قلتِ کلام اور قلتِ اختلاط مع الانام۔ (کم کھانا۔ کم سونا۔ کم بولنا اور لوگوں سے میل جول میں کمی) تاہم صوفیائے متاخرین نے جو ماضی قریب میں ہوئے ہیں۔ پہلے دو اجزاء کو ترک کر دیا۔ البتہ آخری دو اجزاء (کم بولنا اور میل جول میں کمی) کو بدستور مستعمل رکھا۔ یہ تبدیلی اس وجہ سے کرنا پڑی۔ کیونکہ اہل زمانہ کی قوتیں ضعیف اور ہمتیں کمزور ہو گئی تھیں۔ جہاں تک مجاہدۂ نفسانی کا تعلق ہے (یعنی تخلیہ اور تحلیہ) اس کو کسی زمانے میں بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عاداتِ رذیلہ کا ترک (تخلیہ) اور اوصافِ حمیدہ کی تحصیل (تحلیہ) نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے۔ مثلاً جھوٹ اور غیبت کو کئی احادیث میں زنا سے بڑھ کر بتایا گیا ہے۔ ایسے ہی بہتان تراشی کو غیبت سے بڑا گناہ کہا گیا ہے۔ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے سوکھی لکڑی کو آگ۔ ریاء عبادت کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ جب ان ذمائم کی نوعیت اور کیفیت کو قرآن اور احادیث میں اتنی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتا دیا گیا ہے تو ان کو ترک کرنا ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان پر لازم ٹھہرا۔ جہاں تک صوفیا اور سالکین کا تعلق ہے ان کے لئے شریعت کے تمام احکامات پر دل و جان سے عمل کرنے کی ضرورت ظاہر و باہر ہے۔ اور اسی ترکِ ذمائم کو اصطلاحاً تخلیہ کہتے ہیں۔ اب اوصافِ حمیدہ کو لے لیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ صابرین سے محبت فرماتا ہے۔ "صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بے اندازہ دیا جائیگا"۔ حدیث شریف میں مومن کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے" اگر اس کو راحت پہنچتی ہے۔ شکر کرتا ہے اگر تکلیف پہنچتی ہے صبر کرتا ہے پس اس کے لئے بہتر ہے"۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔" اور وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرما دی کہ اگر (میری نعمتوں کا) تم شکر کرو گے تو تم کو، خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں تو ضرور، زیادہ نعمت دوں گا۔ اور اگر تم (ان نعمتوں کی) ناشکری کرو گے تو یہ سمجھ رکھو کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے"۔ تقویٰ کا امر قرآن مجید میں جس قدر ہے۔ غالباً کسی چیز کا اتنا نہیں۔ لہٰذا صبر، شکر، تقویٰ و اخلاص کو حاصل کرنا ہر

مسلمان پر فرض ہے۔ اور اسی کو اصطلاحاً تحلیہ کہتے ہیں۔

دلائل السلوک (بار دوئم) کے صفحہ ۲۳ پر قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی تفسیر کے حوالے سے (سورۂ توبہ کی ایک آیت) درج ذیل عبارت لکھی گئی ہے۔ جو کہ اس بات کو پوری طرح واضح کرتی ہے۔

"صوفیہ کرام جس علم کو لدنی کہتے ہیں۔ اس کا حصول فرضِ عین ہے۔ کیونکہ اس کا ثمرہ صفائیٔ قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے۔ اور تزکیۂ نفس ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب، تکبر، حسد، حبِ دنیا حبِ جاہ۔ عبادات میں سستی، شہوات نفسانی، ریاء وغیرہ۔ اور اس کا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی، رضا بالقضا شکرِ نعمت، اور مصیبت میں صبر وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مومن کے لئے اعضاء و جوارح کے گناہوں سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں۔ اور نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے زیادہ اہم فرائض ہیں۔ کیونکہ ہر وہ عبادت جس میں خلوصِ نیت نہ ہو بے فائدہ ہے۔ اور خلوص ہی کا نام تصوف ہے۔

اس تفصیل سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ مجاہدۂ نفسانی (تخلیہ و تحلیہ) اصطلاحی معنوں میں سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ کے سالکین کو نہیں کرائے جاتے۔ لیکن ترکِ ذمائم وحصول خصائلِ حمیدہ سب مسلمانوں پر واجب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دار العرفان میں ایک ہفتہ کا تربیتی پروگرام شروع کیا گیا تھا۔ جہاں پر وضو، نماز وغیرہ کے مسائل کے علاوہ صبر، شکر، تقویٰ، جھوٹ غیبت، حسد، تکبر، ریاء وغیرہ کی حقیقت اور دیگر تفاصیل ذہن نشین کرائی جاتی ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا پروگرام ۲۲ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو منعقد ہوا تھا۔

طریق تحصیل:۔ نفس کے اندر اللہ تعالےٰ نے ایسی خصلت رکھدی ہے کہ نیکی کا کام اس کو گراں گزرتا ہے۔ مثلاً ایک مزدور سارا دن محنت و مشقت تو بخوشی کر سکتا ہے لیکن نماز ادا کرنا (جس میں بظاہر کوئی خاص محنت بھی نہیں کرنی پڑتی) بہت مشکل ہے۔ نفس کی دوسری خصلت یہ ہے کہ برائی کے سارے کام کرنے سے اس کو بہت لذت ملتی ہے۔ (جبکہ نفسِ امارہ سے نفسِ مطمئنہ نہ بن جائے) مثلاً غیبت کرنا۔ ریاء و حسد وغیرہ۔ بعض لذات و حظوظ ایسے ایسے ہیں کہ جن سے ایک حد تک ہی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ جیسے لذت دار کھانا یا نیند کرنا۔ حد سے بڑھ جائے تو بدمزگی پیدا ہونے لگتی ہے لیکن غیبت وغیرہ جتنی بھی کرلو۔ بدمزگی یا اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ نفس کو اور زیادہ لذت ملتی ہے یہی حال دیگر ذمائم کا ہے۔ مثلاً حسد، تکبر، ریاء وغیرہ۔ سال ہا سال سے ان ذمائم کو کرتے کرتے وہ نفس کے اندر اس بری طرح سے رچ بس جاتے ہیں کہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ارادہ

پختہ کیا جائے کہ آئندہ سے میں نے ان تمام ذمائم کو ترک کرنا ہے۔ اس کے بعد ایک ایک ذمیمہ کو لے کر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ چند ہفتہ تک صرف ایک یا دو ذمائم پر ہی توجہ اور کوشش مرکوز کی جائے اور بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ کوشش کے باوجود بار بار اس کا ارتکاب ہوگا۔ توبہ کر کے دوبارہ عزمِ مصمم کے ساتھ کمر ہمت کس لی جائے۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے کہ میرا بندہ میرے راستے پر چلنے میں کتنی کوشش اور محنت سے کام لے رہا ہے تو وہ اپنی توفیق بھی شاملِ حال کر دیں گے۔ اور جب ان کی مدد شاملِ حال ہوگئی تو کامیابی یقینی ہے۔ نیز ذکر کی برکات سے جیسے جیسے قلب منور ہوتا جائے گا۔ ذمائم کے ترک میں سہولت ہوتی جائے گی۔ اس طرح سے اوصافِ حمیدہ (صبر شکر، اخلاص، تقویٰ وغیرہ) کو ایک ایک کر کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر تمام ذمائم کے ترک کی ایکدم کوشش کی جائے۔ تو کامیابی مشکوک ہے۔ کیونکہ بزرگوں نے تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ عملاً یہ کام ناممکن ہے۔ دراصل یہ ذمائم نفس کے اندر اس طرح سے رچے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کو ترک کرنے کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص استرا لے کر اپنے ہاتھ سے اپنی کھال کو چھیلنے لگ جائے۔ جتنی کوفت اس کام میں ہوتی ہے۔ اتنی ہی مشکل ایک ذمیمہ کو ترک کرنے میں پیش آتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے غیبت کو ترک کرنے کی کوشش کی جائے۔ آہستہ آہستہ سمجھ میں آئے گا کہ ہماری اکثر باتیں جو ہم دفتر، گھر، بس کے اندر حتیٰ کہ مسجد میں بیٹھ کر کرتے ہیں۔ ان میں سے ۵۰، ۶۰ فیصد غیبت کے زمرے میں آتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کو ترک کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ تاہم کوشش کرنا بندے کا کام ہے۔ مدد دینے والا اللہ ہی ہے۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ چیدہ چیدہ ذمائم کی تفصیل (جن کو ترک کرنا چاہیئے) اور اوصافِ حمیدہ (جن کو حاصل کرنا چاہیئے) کی حقیقت ایک اور مضمون میں (جو اخلاق کے بارے میں ہوگا) بیان کی جائے گی۔

ترکِ ذمائم کے چند بنیادی اصول

اخلاقِ رذیلہ یعنی کذب

غیبت، حسد، تکبر وغیرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں چند بنیادی اور اہم امور جو ہر وقت مدنظر رہنا چاہئیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ زوالِ رذائل سے مقصود اضمحلال ہے :۔
اضمحلال کے معنی یہ ہیں کہ مجاہدہ کے بعد ان اخلاقِ رذیلہ کی مقاومت میں پہلی جیسی مشقت نہ رہے ورنہ مجاہدہ سے نہ حریص کی حرص زائل ہوتی ہے نہ بخیل کا بخل، نہ متکبر کا کبر۔ ہاں اضمحلال ہو جاتا ہے۔ جس کا ثمرہ یہ ہے کہ ان کے مقتضا پر عمل نہ ہو۔ کیونکہ عمل اختیاری ہے۔ پس مقتضائے رذیلہ پر عمل نہ کرنا بھی بڑی کامیابی ہے اور مجاہدہ و ریاضت سے آسانی ہو جاتی ہے۔

۲۔ رذائل کے فطری ہونے کی دلیل:۔

محققین کا قول ہے کہ کبر سے غضب پیدا ہوتا ہے اور غضب سے غیبت۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کو بھی غصہ آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کے اندر کبر بھی ہے۔ بچوں کے اندر ان امور کے ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ امور فطری ہیں۔

۳۔ ریاضت و مجاہدہ کا فرق:۔

تقاضائے معصیت کی مخالفت کرنا تو مجاہدہ ہے۔ خلقِ رذیل کے ازالہ کی کوشش کو ریاضت کہتے ہیں۔

۴۔ ریاضت سے اصلاحِ اخلاق کے معنی:۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو تصدیق کر لو۔ (جب تک کہ دلیل مکذب نہ ہو) اور جب تم کسی شخص کی نسبت سنو کہ اپنے اخلاق سے ہٹ گیا تو تصدیق مت کرو۔ (کیونکہ اس کا مکذب موجود ہے اور وہ مکذب یہ ہے کہ وہ پھر اسی حالت پر آجائے گا۔ جس پر پیدا کیا گیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ ریاضت سے اخلاقِ جبلیہ زائل نہیں ہوتے ہاں مضمحل ہو جاتے ہیں۔

۵۔ حسنِ اخلاق کی بھی ایک حد ہے:۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم سائل کو تین بار (عذر سمجھا کر) جواب دے دو اور وہ پھر بھی نہ جائے۔ لپٹ کر جم ہی جائے۔ جس سے ایذا ہونے لگے۔ تو پھر اس کے جھڑک دینے میں کچھ ڈر نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حسنِ اخلاق کی بھی ایک حد ہے اور بندہ اس کا مکلف نہیں کہ اس حد سے آگے ایذا کا تحمل کرے۔

دیکھتا چلا گیا

(سیلانی کی قلم سے)

۱۔ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کی پرواز PK 312 کا اعلان ہو رہا ہے۔ سواریاں جہاز میں سوار ہو رہی ہیں۔ جہاز کے عملہ کے چاک وچوبند اور مہذب خدمتگار، سواریوں کا استقبال کر رہے ہیں۔ ایک بوڑھا آدمی بورڈنگ کارڈ میں لئے اور سعودیہ کا بیگ کندھے پر لٹکائے داخل ہوتا ہے۔ سیٹ نمبر دیکھ رہا ہے۔ ایک نوجوان جو استقبال پر مامور ہے نہایت کرخت آواز سے چلاتا ہے "او بابا" بابا غصہ اور حیرت کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے "بابا جی" کہتے ہوئے تمہاری زبان کٹتی ہے۔ پیچھے ایک فوجی آفیسر سول کپڑوں میں آ رہے ہیں۔ یہ مکالمہ سن کر اس جوان کو نہایت غضبناک لہجے میں کہتے ہیں LEARN MANNERS جوان بل کھا کے رہ جاتا ہے۔ بابا ذرا قریب ہو کر اس کے سینے پر لگی ہوئی تختی دیکھتا ہے۔ لکھا ہے "ذوالفقار اے علی" اب بابا کی چشم تصور کے سامنے اس نام کے اندر اس جوان کے اخلاق کا سارا پس منظر آ جاتا ہے۔ لہٰذا اسے معذور سمجھتا ہے کیونکہ جہاں گالی دینا عبادت شمار ہو وہاں "او بابا" کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

جہاز روانہ ہوتا ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی ذوالفقار بے نیام اس بابا سے چند قدم آگے کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ایک خاتون سے مسکرا کے لہرا کے، بل کھا کے، زبان کی لوچ سے محوِ گفتگو ہے۔ رویّے میں اتنی نمایاں تبدیلی کیوں ہے۔ اس کیوں کا جواب نوجوان نسل ہی دے سکتی ہے۔

سفر کے اختتام سے تھوڑی دیر پہلے وہ آرمی آفیسر حکم دیتے ہیں دو Complaint cards لاؤ۔ ایک جوان لاتا ہے۔ مگر سب عملے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ پہلے وہ جوان اردو والے کارڈ لاتا ہے آرمی آفیسر کہتے ہیں، انگلش کے لاؤ! یہ سن کر اس کا رنگ اور متغیر ہو جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ PIA کا کوئی ذمہ دار افسر شاید واقعی ذمہ دار ہے۔

اسلام آباد کے مطار پر یہ جہاز لینڈ کرتا ہے مگر اس کی کیفیت بھی عجیب ہے کہ جہاز گیند کی طرح

زمین پر گرا۔ پھر اچھل کر بلند ہُوا، پھر گرا اور رَن وے پر چلنا شروع ہُوا۔ عمر گزر گئی ہے مگر اس انداز سے لینڈنگ کی ٹیکنیک دیکھنے کا آج ہی پہلی دفعہ موقع ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ اس جہاز کا عملہ اوپر سے نیچے اور آگے سے پیچھے تک سارے کا سارا ایک ہی رنگ میں رنگا ہُوا ہے۔

سواریاں اُتر گئیں۔ بابا ابھی بیٹھا ہے۔ نیچے ایک اعلیٰ آرمی آفیسر یونیفارم میں کھڑے PIA انتظار میں کھڑی ہے۔ عملے کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کونسی دِقت تھی کہ یہ سب بابا اینڈ کمپنی کے استقبال کیلئے ہے۔ بابا اُٹھا۔ عملے کا ایک جوان مگر وہ نہیں جس نے کہا تھا "او بابا" بلکہ اس سے ذرا کم بگڑا ہُوا جوان آیا۔ بابے کا بیگ اور سامان چھیننے لگا۔ بابا نے بہتیرا انکار کیا مگر وہ بھی مستقل مزاج ثابت ہُوا۔ سامان لے کر اُترا اور گاڑی میں رکھ کر سلام کرنے لگا۔ معلوم ہُوا کہ یہ نسل اس طرح پروان چڑھ رہی ہے کہ جب کوئی خطرہ محسوس ہو تو اخلاقِ عالیہ کا مظاہرہ ضرور کرو۔

سننے میں آیا تھا کہ PIA میں بھرتی ہونے والے عملہ کو مناسب تربیّت دی جاتی ہے۔ مگر تربیّت کا اثر بھی وہیں ہوتا ہے جہاں انسانیت کا جوہر تو بنیادی طور پر موجود ہو۔ PIA والے بھلا یہ کیسے کر سکتے ہیں کہ دھتورے کے پودے کو دُودھ سے آبیاری کر کے آم کے پھل کی توقع رکھنے لگیں۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ سنیما کی ترقی کا اثر ہے قوم ایکٹنگ

بن چکی ہے۔ باہمی معاملات میں ایکٹنگ تو خیر ایک معمول ہُوا۔ اب تو مذہب اور عبادت میں بھی ایکٹنگ ہی طرۂ امتیاز رہ گیا ہے۔ اس لئے PIA کے ذمہ دار حضرات اگر اتنا کر سکیں کہ اپنے عملہ کو اسلامی نہ سہی بنیادی انسانی اخلاق کی ایکٹنگ کرنے کا فن آجائے تو یہ بھی غنیمت ہے۔

معلوم ہے ایئر ہوسٹس بھرتی کرنے کی وجہ بھی شاید یہی ہوگی کہ نوجوان نسل کے مردوں کی اخلاقی حالت سے مایوس ہو چکے ہوں گے۔ سچ کہا کسی نے ؎

زندگی طوفان ہے اور ناؤ مونم پاپ کی
آہ جیتی جاگتی بد بختیو ماں باپ کی

۲۔ علاقے کی ایک نامور ہستی اس دنیا سے رخصت ہوئی۔ لوگ ہر طرف سے اور ہر شعبہ کے تعزیّت کیلئے آرہے ہیں کیونکہ جانے والے سماجی، سیاسی دنیوی اور دینی ہر اعتبار سے ایک منفرد شخصیّت کے مالک تھے۔ اللہ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

دیندار لوگوں کی ایک جماعت تعزیت کیلئے آئی ہے۔ جماعت کے مختلف افراد کو مرحوم کے شاندار بنگلے میں مختلف کمروں میں قیام کیلئے جگہ دی گئی۔ مرحوم کے جوان بیٹوں کے اپنے اپنے کمرے ہیں۔ ایک کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے ایک کتبہ نظر آیا۔

ANIMALS NOT ALLOWED BUT ME.

یعنی میرے سوا کسی جانور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں اس کے دائیں طرف ایک شاندار بوک کار کی تصویر چسپاں ہے۔ یہ باتھ روم کا دروازہ ہے۔ اس کے

اندر واش بیسن کے سامنے دیوار پر ایک دوشیزہ کی تصویر ہے جو حسن و جمال میں بے نظیر ہے۔ اس کے دائیں طرف ایک اور عورت کی تصویر ہے۔ جس کے بال کھلے ہیں۔ پیٹھ زمین سے لگی ہے۔ دونوں ٹانگیں آسمان کی طرف اٹھی ہیں۔ گویا جسم کا زاویہ قائمہ بنا ہوا ہے۔

یہ تحریر اور تصویریں نوجوان نسل کی زندگی کے نصب العین کی داستان ہے۔ سب سے پہلے اس نظریہ کا اظہار ہے کہ یہ نسل انسانیت سے متنفر ہے اور اپنے آپ کو جانور سمجھنا اور اس پر اترانا ہی کمال کی نشانی ہے۔ ظاہر ہے کہ جانور کی زندگی کا مقصد کھانا، پینا، بچے پیدا کرنا اور مرجانا ہے اور بس۔ پھر اس نظریے کے مطابق زندگی کا جو نقشہ بنتا ہے۔ اہل فن نے اسے تھری B یعنی تین "ب" میں محصور کر دیا ہے۔ بنگلہ، بیوک اور بیگم۔ چنانچہ یہ تصاویر اسی نظریے کی ترجمانی کا کام دے رہی ہیں۔ بنگلہ تو موجود ہے۔ بیوک اور بیگم کی تصاویر آئیڈیل کی نشاندہی کر رہی ہیں۔

البتہ کمرے کی جنوبی دیوار پر بیت اللہ کا خوبصورت نقشہ ایک دیدہ زیب فریم میں آویزاں ہے۔ گویا یہ ابا جان کی نشانی ہے۔ جو میوزیم کا کام دے سکتی ہے یا اِن کے تقابل سے یہ تأثر دینا مقصود ہے کہ ابتدا وہ تھی، انتہا یہ ہے۔

راہِ مغرب میں یہ لڑکے لُٹ گئے
واں نہ پہنچے اور ہم سے چھٹ گئے

تصوّف کی حقیقت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمّد زکریّا رحمۃ اللہ علیہ
بروایت :۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی

سوال :۔ یہ تصوف کیا بَلا ہے ؟ اس کی حقیقت کیا ہے ؟

جواب :۔ " صرف تصحیح نیت " اس کے سوا کچھ نہیں جس کی ابتدا " اِنما الاعمال بالنیات " سے ہوتی ہے۔ اور انتہا " ان تعبد اللہ کانک تراہ " ہے ——— " انما الاعمال بالنیات " سارے تصوف کی ابتدا ہے۔ اور " ان تعبد اللہ کانک تراہ " سارے تصوف کا منتہا ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ
متیٰ ما تلق من تہویٰ دع الدنیا و اہملہا

سارے پاپڑ اسی لئے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے۔ مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

تصوّف میرے اکابر کا اہم ترین مشغلہ ہے :

درکف جام شریعت درکف سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

کے " سچے مصداق " تھے۔ یہ حضرت ایک جانب فقہ، حدیث اور علوم ظاہریہ میں اگر آئمہ مجتہدین اور آئمہ حدیث کے حقیقی جانشین اور سچے متبع تھے تو دوسری جانب تصوف کے آئمہ جنیدؒ اور شبلیؒ کے قدم بقدم، ان اکابر نے تصوف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا۔ اور اپنے قول و فعل سے بتلا دیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے اور جو رسوم و بدعات اس مبارک فن

میں بُعد زمانہ سے بڑھ گئی تھیں ان کو چھانٹ دیا۔ ——— حقیقی تصوف کو جس کا دوسرا نام احسان ہے، حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے دریافت کرکے یہ واضح کردیا کہ یہ شریعت ہی کی روح اور مغز ہے۔ اور حضرت جبرئیل کے اس سوال پر کہ احسان کیا چیز ہے؟ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد " ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ "

(تو اللہ کی عبادت ایسی کرے گویا اس کو دیکھ رہا ہے) ——— احسان کے معنی اور تصوف کی حقیقت واضح کردی۔ عنوانات اس کے جو بھی اختیار کئے جائیں لیکن مرجع سب کا یہی حقیقت ہے۔

ادری بسعدی والرباب وانما
انت الذی تعنی وانت المؤمل

(شاعر کہتا ہے کہ چاہے میں مشہور محبوبہ سعدی کا نام لوں یا معروف معشوقہ رباب کا نام لوں۔ ہر چیز سے مقصود تو ہی ہے اور تو ہی مطلوب ہے)

——— یہ تو حقیقت ہے۔ اس کے بعد جو چیزیں ذکر و شغل، مجاہدات و ریاضات یہ حضرات تجویز فرماتے ہیں وہ حقیقت میں علاج ہیں۔ چونکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جتنا بُعد ہوتا جاتا ہے اتنا ہی قلوب میں زنگ اور امراض ردیہ دلوں میں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور جیسا کہ یونانی اطباء اور ڈاکٹر جدید امراض کیلئے تجربات یا قواعد سے وقتی اور نئی نئی چیزیں اور دوائیاں تجویز کرتے ہیں اسی طرح یہ روحانی اطباء قلبی امراض کے لئے ہر شخص کے حال موافق اور ہر زمانے کے موافق دوائیں تجویز کرتے ہیں۔

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ ان کا ایک رسالہ " تصوف اور نسبت صوفیہ " مختصر اور قابل دید ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل " حدیث جبرئیل " ہے جس میں آیا ہے کہ " ماالاحسان : قال ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ "۔ چنانچہ تصوف اسی احسان ہی کا نام ہے۔

تصوف ایک عظیم الشان چیز تھی۔ جس کی تعریف علماء تصوف نے یہ فرمائی ہے کہ هو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس الخ۔ وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ سے نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں۔ جس کی غرض ابدی سعادت کی تحصیل ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیے کہ اس میں کونسی چیز غلط ہے؟ نفس کا تزکیہ غلط ہے؟ یا اخلاق

کا تصفیہ بُرا ہے؟ ظاہر و باطن کی تعمیر لغو ہے؟ یا سعادتِ ابدیہ کی تحصیل بیکار ہے ——— اسی طرح تقویم اخلاق، تہذیبِ نفس، نیز نفس کو اعمالِ دین کا خوگر بنانا اور شریعت کو نفس کے حق میں وجدان بنالینا، ان امور میں کونسی شئے مقاصدِ شرع کے خلاف ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک شئے کتاب وسنت کے عین مطابق اور اللہ و رسولؐ کے منشا کو پورا کرنے والی ہے۔

جس تصوف کی اثبات کے ہم قائل ہیں وہ وہی ہے جسکو اصطلاحِ شرع میں "احسان" کہتے ہیں۔ یا جس کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے۔ یا تعمیر الظاہر والباطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایک بانظم و بااصول چیز ہے۔ اس میں مریدین کیلئے بھی شرائط ہیں اور شیخ کیلئے بھی اصول و آداب ہیں۔ جس کی رعایت کرنے کے بعد اس کو شریعت کا مغز اور دین کا لب لباب کہا جاتا ہے۔ اور جب ان شرائط و آداب کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ غیر تصوف کو تصوف قرار دے دیا جائے تو پھر وہ طریق ہی نہیں جو ہمارا موضوعِ بحث ہے۔ اس لئے ان کی خرابیوں اور ان پر عمل کرنے کی وجہ سے سالک میں جو خرابیاں پیدا ہوں اس کا ذمہ دار کسی طرح حقیقی تصوف اور اصل طریق کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اب اگر آپ کو تصوف سے محض اس بنا پر چڑ ہے اور انکار ہے کہ اس کا نام محدث ہے تو اس میں تصوف ہی منفرد نہیں نہ معلوم کتنی چیزیں اس وقت موجود ہیں کہ ابتداء اسلام میں ان ناموں سے معروف نہ تھیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا نام بدعت ہے تو مسمّی تو اس کا بدعت نہیں۔

آپ اس کو احسان کے نام سے تعبیر کر لیجئے، علم الاخلاق اس کا نام رکھ لیجئے، اور جو شخص کہ اس سے متصف ہو اس کو محسن، مقرب اور مخلص کہہ لیجئے۔ اور احسان، محسن، متقی اور مخلص کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔

اللہ جل شانہٗ کا راستہ بہت آسان ہے۔ تجربہ بھی ہے اور لوگوں کو دیکھا بھی ہے:

یعلم اللہ راہِ خدا از دو قدم بیش نیست

یک قدم بر نفسِ خود نہ، دیگرے بر کوئے دوست

زیارتِ حرمین شریفین کے تاثرات

(پروفیسر مخفی کاشمیری)

.... کے بعد سعودی عرب آئے ۔ مہلت صرف پانچ دن کی تھی ۔ اِس قلیل عرصہ میں پیاس کیا بجھتی، کچھ گنا بڑھ گئی ۔ بہرکیف بفضلہٖ تعالیٰ عمرہ کرنے کا موقعہ ملا ۔ مدینہ منوّرہ میں روضۂ مبارک کی زیارت بھی کی ۔

حرمین شریفین میں احساسات کیا تھے ؛ بیان کرنا مشکل ہے ۔ زبان گنگ تھی ۔ بس حیرت ہی حیرت ! ــــــــــ عرب کی سرزمین اور معاشرت میں بہت تبدیلیاں پائیں ۔ یعنی جو کچھ سنتے تھے اس کے تناظر میں قدیم آبادیوں کی جگہ نئی آبادیاں ہیں ۔ تعمیراتی نقطۂ نظر سے تو معلوم ہوتا ہے انہوں نے ماضی کو تو ختم ہی کر دیا ہے ــــــ اور بہت قلیل مدت میں ۔ میرے ایک ساتھی بیس برس پہلے زیارت کر چکے تھے وہ تو انگشت بدنداں تھے کہ یہ ہُوا کیا ہے ! اور جگہ جگہ بتاتے جاتے تھے کہ یہاں یہ تھا اور وہاں یہ ــــــــ آج سب کچھ غائب ہے ، نئے انداز ، نئے طریقے ہر طرف مغربی رنگ ــــــــ تعمیریں ، مواصلات ، آرائش ، زندگی کی دوڑ ۔

(ایک ذاتی مکتوب سے اقتباس)

پاکستان آرمی میں

جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی ضرورت

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ خطیبوں کی چند آسامیاں خالی ہیں جنہیں پُر کرنے کیلئے مطلوبہ قابلیت کے مالک حضرات سے درخواستیں مطلوب ہیں۔

مطلوبہ قابلیت:- (الف) حکومت پاکستان کے منظور شدہ کسی دینی مدرسے سے درس نظامی میں فراغت کی سند۔
(ب) پاکستان کے کسی بورڈ سے میٹرک یا سیکنڈری سکول سرٹیفیکیٹ۔
(ج) روزمرہ امور کے متعلق عربی بول چال میں مہارت اضافی قابلیت تصور کی جائے گی۔

عمر:- یکم فروری ۱۹۸۴ء کو ۲۰ سے ۳۵ سال۔

عہدہ یا تنخواہ:- ملازمت کے لئے منتخب امیدواروں کو نائب خطیب (نائب صوبیدار) کا عہدہ دیا جائے گا۔ فوجی وردی کے بجائے منظور شدہ شہری لباس ہوگا۔ جو فوج کی طرف سے مفت مہیا کیا جائے گا۔ فوج کے جونیئر کمیشنڈ افسروں کی طرح ان کے اوپر والے رینکس میں ترقی کی گنجائش ہوگی۔

الاؤنس و دیگر مراعات:- وہ تمام الاؤنس و مراعات جو فوج کے مستقل جے سی او صاحبان کو حاصل ہیں، انہیں بھی حاصل ہوں گی۔ مثلاً ذات کیلئے مفت راشن مفت رہائش (جہاں مہیا ہو ورنہ کوارٹر الاؤنس) اپنے اور بیوی بچوں کیلئے مفت طبی سہولت، سفر کی مراعات، پنشن، گریجویٹی کی مراعات وغیرہ وغیرہ۔

ملازمت کی جگہ:- پاکستان میں یا پاکستان سے باہر کسی بھی جگہ۔

تربیت:- منتخب امیدواروں کو فوجی زندگی سے روشناس کرانے کی خاطر تربیت بھی دی جائے گی۔

طریق انتخاب:- (الف) امیدواروں کی سہولت کے مطابق مختلف مقامات پر ابتدائی امتحان اور انٹرویو جس کی اطلاع امیدواروں کو دے دی جائے گی۔
(ب) طبی معائنہ
(ج) آخری انتخاب جنرل ہیڈکوارٹرز، راولپنڈی میں ہوگا جس کے نتیجے کی اطلاع کامیاب امیدواروں کو دے دی جائے گی۔

درخواستوں کی آخری تاریخ:- درخواستیں مجوزہ فارم پر (مع اصل اسناد کی تصدیق شدہ فوٹوسٹیٹ نقول کے) شعبہ دینی تعلیمات آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹریٹ، ای جی ٹی اینڈ ای برانچ، جنرل ہیڈکوارٹرز، راولپنڈی کو ۳۱ جنوری ۱۹۸۴ تک پہنچ جانی چاہیئے۔ درخواستوں کے فارم مذکورہ بالا شعبہ دینی تعلیمات سے مبلغ ایک روپیہ ۲۰ پیسے کے ٹکٹ لگے ہوئے لفافے بھیج کر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ فارم طلب کرتے وقت اپنی قابلیت اور سند الفراغ کے بارے میں پوری معلومات لکھیں۔

بے لوث خدمت
بے خوف قیادت

کیلنڈر سنہ ۱۹۸۴ء

جنوری، اپریل، جولائی	فروری، اگست	مارچ، نومبر	مئی	جون	ستمبر، دسمبر	اکتوبر	مہینوں کی تاریخیں				
اتوار	بدھ	جمعرات	منگل	جمعہ	ہفتہ	سوموار	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
سوموار	جمعرات	جمعہ	بدھ	ہفتہ	اتوار	منگل	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
منگل	جمعہ	ہفتہ	جمعرات	اتوار	سوموار	بدھ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
بدھ	ہفتہ	اتوار	جمعہ	سوموار	منگل	جمعرات	۴	۱۱	۱۸	۲۵	-
جمعرات	اتوار	سوموار	ہفتہ	منگل	بدھ	جمعہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	-
جمعہ	سوموار	منگل	اتوار	بدھ	جمعرات	ہفتہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	-
ہفتہ	منگل	بدھ	سوموار	جمعرات	جمعہ	اتوار	۷	۱۴	۲۱	۲۸	-

تاریخ معلوم کرنے کا طریقہ

آپ کو جس ماہ کی تاریخ معلوم کرنا ہو تو اسی ماہ کے مطلوبہ دن پر انگلی رکھ کر سامنے دیکھیں۔ تو تاریخ معلوم ہو جائے گی۔

اور اسی طرح جس تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو تو تاریخ پر انگلی رکھ کر مطلوبہ ماہ کے خانے میں دیکھیں گے تو دن معلوم ہو جائے گا۔

(حافظ اللہ یار اعوان۔ ٹھٹھی والی۔ ضلع میانوالی۔)

الحال مقیم:۔ حفر الباطن۔ سعودی عرب

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

- دلائل السلوک (اردو) —— ۲۵/۰۰
- صوفی ازم (انگلش) —— ۴۰/۰۰
- حیاتِ برزخیہ —— ۲۵/۰۰
- تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین —— ۲۵/۰۰
- الدین الخالص —— ۲۵/۰۰
- حیاتِ انبیاء —— ۱۰/۰۰
- اطمینانِ قلب —— ۱۰/۰۰
- تعمیرِ سیرت —— ۷/۵۰
- لغزشیں —— ۷/۵۰
- حضرت امیر معاویہؓ —— ۷/۵۰
- اسرار الحرمین —— ۵/۰۰
- انوار التنزیل —— ۵/۰۰
- کس لئے آئے تھے؟ —— ۵/۰۰
- تعارف —— ۳/۰۰

- خدایا ایں کرم بارِ دگر کن ۷/۵۰
- دیارِ حبیب میں چند روز ۵/۰۰
- دین و دانش —— ۵/۰۰
- مغالطے —— ۵/۰۰
- پاکیزہ معاشرہ —— ۷/۵۰
- فضائل توبہ استغفار —— ۲۰/۰۰
- المرشد (فی شمارہ) —— ۳/۰۰
- حج کی دعائیں [illegible] ۵/۰۰
- ذکر اللہ (عربی) —— ۳/۰۰
- بزمِ انجم —— ۱۵/۰۰
- فوزِ عظیم —— ۱/۵۰
- علم و عرفان مع تلاشِ راہ ۳/۰۰
- سالانہ چندہ المرشد —— ۳۵/۰۰
- کونوا عباد اللہ (زیر طبع)
- ایمان بالقرآن کلاں —— ۲۰/۰۰

۹۹

ماہنامہ المرشد

زیر سرپرستی حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاح احوال باطنی اصلاح

سالانہ چندہ پینتیس ۳۵ روپے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ تحصیل چکوال ضلع جہلم • سول الحنیف مدنی کتبخانہ گنبت روڈ لاہور

کتبہ: سید مشتاق حسن رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255